Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس مفتی محمد امجد حکیم محمد فیضان غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے

سالانہ............300 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ .... اپنے آپ کو خباری دنیا کے حوالہ نہ کیجئے............. مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۰، آیت نمبر ۲۵). . قرآن مجید میں مچھر جیسی حقیر مثالوں پر شبہ کا جواب.. مفتی محمد رضوان ۸

درسِ حدیث .... اذان کے فضائل........................ مفتی محمد یونس ۱۴

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہ جمادی الثانیہ: دوسری صدی ہجری کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں........ مولوی طارق محمود/ مولوی سعید افضل ۱۹

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۳)......... ترتیب: مفتی محمد رضوان ۲۱

بھیڑ چال اور بدنظمی سے پرہیز کیجئے (قسط۱)................................... مفتی محمد رضوان ۲۴

تقلید کا ثبوت.. عبدالواحد قیصرانی ۲۹

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود (قسط۱۴)........................ مولانا محمد امجد حسین ۳۳

صحابیٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ (قسط۲)................... انیس احمد حنیف صاحب ۳۸

آدابِ تجارت (قسط۱۴).. مفتی منظور احمد صاحب ۴۱

رشتہ داروں سے صلح رحمی کیجئے.. مولوی محمد ناصر ۴۵

موٹر سائیکل اور گاڑی وغیرہ چلانے کے آداب (قسط۱)........................ مفتی محمد رضوان ۵۱

اصلاح کے بغیر خالی پیری مریدی کافی نہیں......................... // // ۵۳

مکتوباتِ مسیح الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۲)....................... ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۵۸

طلباء کو نرمی کے ساتھ مانوس کرنے کی ضرورت (تعلیماتِ حکیم الامت کی روشنی میں)............ // // ۶۲

علم کے مینار.......... ہر چہ گیرد علّتی ..... (قسط۷)................... مولانا محمد امجد حسین ۶۴

تذکرۂ اولیاء... تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۳)....... مولانا محمد امجد حسین ۶۷

پیارے بچو! .... پرانے اور آج کے کھیل (تیسری وآخری قسط)......... مفتی ابو ریحان ۷۰

بزمِ خواتین ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواتین سے چند اہم خطاب (قسط۳)... مفتی محمد رضوان ۷۲

آپ کے دینی مسائل کا حل......... اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم................ ادارہ ۷۶

کیا آپ جانتے ھیں؟... بیل گاڑی سے ریل گاڑی تک (چھٹی وآخری قسط)... مولانا محمد امجد حسین ۹۳

عبرت کدہ .... ہندوستان کا اسلامی عہد (قسط۱۴)...................... مولانا محمد امجد حسین ۹۷

طب وصحت......... دہی (Curd)... حکیم محمد فیضان ۱۰۰

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز.......................... مولانا محمد امجد حسین ۱۰۳

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں.................... ابرار حسین ستی ۱۰۵

Exchanging of Gold and Silver With Currency................. // // ۱۰۸

Idara Ghufran

اداریہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مفتی محمد رضوان

اپنے آپ کو اخباری دنیا کے حوالہ نہ کیجئے

پہلے زمانے میں آج کل کی طرح روزمرّہ شائع ہونے والے اخباروں کا وجود نہیں تھا، ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ تک اولاً تو پہنچنے کا امکان ہی نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی کوئی خبر پہنچا بھی کرتی تھی تو اس کے پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ جایا کرتا تھا۔

مگر جب سے اخباروں کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت سے روزمرہ کے اعتبار سے دنیا میں رونما ہونے والے مفید وغیر مفید، مُضر وغیر مُضر واقعات وحادثات کا اخباروں کے ذریعہ سے عام لوگوں کو علم ہوجاتا ہے، اگرچہ اس دور میں عالمی خبروں، تبصروں، حالات وواقعات سے باخبر اور آگاہ ہونے کا ذریعہ صرف اخباروں تک محدود نہیں رہا بلکہ الیکٹرانک میڈیا نے بھی اس میں اہم کردار ادا کیا ہے، لیکن پرنٹ میڈیا کی دنیا میں آج بھی معاشرے میں اخباروں کو جو مقام حاصل ہے وہ مختلف وجوہات سے دوسرے ذرائع کے مقابلہ میں ایک حیثیت سے نمایاں اور امتیازی نوعیت کا حامل ہے۔

۱۳۲۳ھ میں آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ:

آج کل لوگوں کی طبیعتوں اور مزاجوں میں اخبار پڑھنے اور اخبار دیکھنے کا ذوق وشوق اتنا پھیل گیا ہے کہ وہ غذا کی طرح بلکہ غذا سے بھی زیادہ ہوگیا ہے، کہ کسی وقت غذا کے بغیر تو صبر کیا جاسکتا ہے، مگر اخبار دیکھے بغیر صبر نہیں آتا، اخبار دیکھنے میں انہماک اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ دینی کتابوں اور دینی مضامین کے دیکھنے کی طرف تو ذرا توجہ اور دھیان نہیں دیا جاتا بلکہ اس کی ضرورت بھی ذہنوں میں نہیں رہی اور اخباروں میں اشتغال وانہماک کا یہ عالَم ہے کہ دوسری دینی ضروریات سے بھی غفلت ہوجاتی ہے، اور اخباروں میں منہمک ہوکر اور اخباروں سے اپنا رشتہ جوڑ کر اپنے دین اور دنیا کا نقصان برداشت کرلیا جاتا ہے، مال بھی ضائع ہوتا ہے اور وقت بھی، جو انسان کے لئے مال سے بڑھ کر قیمتی سرمایہ ہے (ملاحظہ ہو، رسالہ اخبار بینی، مؤلفہ حکیم الامت رحمہ اللہ)

یہ نقشہ اب سے سو سال پہلے کی حالت کا کھینچا گیا ہے جبکہ اخباروں کی اتنی کثرت نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔ اور اگر یہ بزرگ آج کی حالت، کا مشاہدہ ومعائنہ فرمالیتے تو معلوم نہیں کیا فیصلہ فرماتے؟

Idara Ghufran

اخبارات کے فسادات کی نیرنگیوں کو بیان کرتے ہوئے بہت مدّت پہلے ایک مفتیٔ اعظم نے جو بات فرمائی تھی اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''علم کا فتنہ ہمیشہ جہل کے فتنہ سے زیادہ شدید ہوتا ہے، اخباری فتنہ کیونکہ علمی فتنہ کے رنگ میں ہوتا ہے اس لیے اس کا نقصان بھی اسلامی دنیا کو زیادہ پہنچا ہے'' (ملاحظہ ہو، صحافت اور اس کی شرعی حدود صفحہ ۳۳، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، پاکستان)

اور قوم کے ایک بڑے مفکر نے اب سے تقریباً تیس سال پہلے فرمایا تھا کہ:

''ہماری صحافت نے نئی نسل کا مزاج بگاڑنے، اس کے اخلاق خراب کرنے اور اسے نفسانی خواہشات کا غلام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی'' (ایضاً ص ۹)

آج جبکہ پہلے کے مقابلہ میں اخبارات کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے، کوئی گھر، کوئی دفتر، کوئی دوکان اور کوئی جگہ ہی شاید اخبار سے خالی نظر آتی ہو، یہاں تک کہ بس، اور جہاز وغیرہ میں سفر کے دوران ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ اخبار مہیاء کرنا مسافروں کا حق سمجھا جانے لگا ہے۔

کسی ہوٹل پر جائیں تو کھانے کی میز پر اخبار سجا ہوا نظر آتا ہے، ڈاکٹر کے کلینک سے لے کر نائی کی دوکان اور نان فروش کی بھٹی تک فحش اخبارات سے خالی نہیں رہی، اور یہ وباء اب خالص دینی و مذہبی اداروں میں بھی پہنچ چکی ہے، بعض جگہ استاد سے لے کر طالب علم تک بلا کھٹک ہر ایک اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق اخبار بینی میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔

گھروں اور دفتروں میں صبح سویرے سب سے پہلے پہنچنے والی چیز ایک اخبار ہی ہے رات کے آخری حصہ میں تہجد کے مبارک وقت میں جس وقت کہ اکثر آبادی رات دیر گئے تک رنگ رلیاں منا کر سو رہی ہوتی ہے، عین اس وقت اخبار شائع کرنے والے اداروں کے اردگرد اخبار فروشوں کے رَش اور ہجوم کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ دیکھ کر لگتا ہے کوئی بڑا اجتماع ہو رہا ہے۔

صبح کو جتنی جلدی بھی جو اخبار شائع ہوتا اور مطلوبہ جگہ تک جتنے سویرے پہنچتا ہے وہ اتنا ہی مقبول سمجھا جاتا ہے، صبح آنکھ کُھلتے ہی جسے دیکھو سب سے پہلے ''وضو، نماز، تلاوت اور ذکر کے بجائے'' اخبار بینی کی جستجو میں لگا نظر آتا ہے۔

دینی ذہن رکھنے والا کوئی تہجد گزار شخص ہو یا بالکل ٹھیٹ دنیا دار شخص ہو، ہر عام وخاص کا اخبار بینی کے ساتھ

غیر معمولی دلچسپی اور شغف بڑھ گیا ہے، شاذونادر ہی شاید کوئی پڑھا لکھا اللہ کا بندہ اخبار بینی کی عادت سے بچا ہوا ہو، جو پڑھے لکھے نہیں وہ سن کر یا معلوم کر کے اپنی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔

پھر اخبار بینی کے مستقل عادی لوگوں کا معاملہ صرف سرسری انداز میں اخبار دیکھنے تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ جب تک رطب ویابس، جھوٹی، سچی، غیبت، بہتان، عیب جوئی، سیاسی، کاروباری، خبروں سے لے کر بے حیائی اور فحاشی تک کی خبروں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ نہیں کرلیا جاتا اور ہر ہر خبر کو اپنے دل ودماغ میں پوری طرح نہیں بٹھا لیا جاتا، بلکہ پراگندہ نہیں کرلیا جاتا اس وقت تک اخبار بینی کا حق ادا کرنا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کبھی اتفاقی مجبوری کی وجہ سے ایک یا زیادہ دن اخبار بینی کا موقع نہ مل سکے اس وقت بھی اپنی تسکین کے لئے دوسرے لوگوں سے اخباری دنیا کی خبروں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں ہوتا، معاملہ اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ کر اخبار میں شائع شدہ خبروں پر تبصروں، اظہارِ خیالات، اور اس کی خاطر مستقل بحث مباحثوں اور مجلس آرائیوں کا بازار گرم رہتا ہے، اور دوسری طرف دین سے ناواقفیت اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ اخبار بینی کے اکثر شائقین کو نماز، روزے کے فرض درجہ کے احکام کا بھی علم نہیں اوپر سے مصروفیت اور مشغولی کا بہانہ بھی کیا جاتا ہے۔

اخباروں کا انداز اور طور وطریق معاشرے کی تعمیر وتخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور اخبارات کے ذریعہ سے کسی بھی قوم کی اصلاح کو فساد سے یا فساد کو اصلاح سے تبدیل کرنا ممکن ہوا کرتا ہے۔

بدقسمتی سے آج کے دور میں عام اخبارات کے مضامین قوم کی تعمیر کے بجائے تخریب کو اور اصلاح کے بجائے فساد کو زیادہ ہوا دینے میں مصروفِ عمل ہیں، ممکن ہے کہ بہت سے اخبارات کے ذمہ داران نیک نیتی کے ساتھ قوم کی تعمیر واصلاح کا جذبہ لے کر یہ خدمت انجام دے رہے ہوں، لیکن عام اخبارات کے اندازِ فکر وطور طریق اور عوامی مقبولیت وپسندیدگی کے لگے بندھے اور رسمی وروایتی معیار کے پیشِ نظر اس خدمت کو حقیقی اصلاح وتعمیر سے تعبیر کرنا مشکل ہے۔

رسّی کو سانپ اور بھیڑ کو بھیڑیا بنا کر پیش کرنا آج کی اخباری دنیا میں ایک مقبول صحافت اور پسندیدہ اخبار کی علامت ومعیار سمجھا جانے لگا ہے۔

گزشتہ دنوں ہمارے ایک جاننے والے تشریف لائے، انہوں نے بتلایا کہ:

''اُن کی مسجد میں قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جمع ہوگئے تھے، جس کے بارے میں انہوں

نے کسی سے شرعی مسئلہ معلوم کرکے ان اوراق کو ایک جگہ جمع کرکے راولپنڈی شہر کے سواں اڈّہ کے قریب سواں نامی دریا میں ڈال دیا، اس وقت سواں میں پانی کی مقدار زیادہ تھی، چند دنوں کے بعد اس میں پانی کم ہوگیا، اور اُن اوراق میں سے کچھ صفحات دریا کے کنارے پر نظر آنے لگے، اس بات کی ایک خاص اخبار کی ٹیم کو اطلاع دی گئی، چنانچہ فوراً متعلقہ اخبار کی ٹیم موقعہ پر پہنچ گئی اور جاکر ان اوراق کی تصاویر لی گئیں اور اس واقعہ کو توہینِ قرآن کے عنوان سے اہتمام کے ساتھ اخبار میں شائع کیا گیا اور عوام کی طرف سے قرآن مجید کی توہین اور بے حُرمتی پر مظاہرے کئے گئے، توڑ پھوڑ کرکے املاک کو نقصان پہنچایا گیا، اور حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا گیا کہ توہینِ قرآن کے مجرمین کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے وغیرہ وغیرہ‘‘

اور ہم لوگ اندر ہی اندر ڈر رہے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کر رہے تھے۔ کسی طرح اللہ اللہ کرکے یہ مسئلہ ٹھنڈا ہوا، جس پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

قارئینِ کرام ملاحظہ فرمائیے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو بے احترامی اور بے ادبی سے بچانے کے لئے اتنی جدوجہد کی کہ شہر سے قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جمع کرکے ایک خاص جگہ لے جاکر شریعت کا حکم پورا کرتے ہوئے ان کو پاک وصاف پانی میں لے جاکر محفوظ کردیا، پھر حکمتِ الٰہی سے کسی وقت وہ اوراق دریا کے کنارے آگئے، تو وہی ادب واحترام کرنے والے لوگ اخباری دنیا اور اس کے واسطہ سے اخبار بینی کے شائقین عوام کی نظروں میں قرآن مجید کی گُستاخی اور توہین کرنے والے بن گئے، اور مذکورہ اخبار والے جن کا مقصد دین کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت نہیں تھا بلکہ اپنی دوکان چمکانا اور عجیب وغریب جذباتی خبریں شائع کرکے زیادہ سے زیادہ خریدار تیار کرنا تھا، انہوں نے اپنا دنیاوی مقصد پورا کرلیا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شرعی اعتبار سے جو حکم زبانی کلام کرنے کا ہے وہی حکم قلم سے لکھنے کا ہے، اور جو حکم کسی بات کے سُننے کا ہے وہی حکم کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ہے لہٰذا جس چیز کا زبان سے کلام کرنا اور کان سے سُننا گناہ ہے اُس چیز کا لکھنا، چھاپنا اور پڑھنا بھی گناہ ہے، اور جس طرح زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بہتان لگانا اور کسی کا تمسخر اُڑانا، عیب جوئی اور تجسس کرنا اور بلا تحقیق کسی بات کو کسی کی طرف منسوب کردینا یہ سب چیزیں گُناہ ہیں، اسی طرح ان چیزوں کا بلا شرعی ضرورت کے کان سے سُننا اخبارات وغیرہ میں شائع کرنا اور اخبار وغیرہ میں پڑھنا بھی گناہ ہے۔

لیکن افسوس کہ اخباری دنیا میں ان گناہوں کو نہ تو گناہ سمجھا جاتا اور نہ ان گناہوں پر نکیر کرنے کی طرف توجہ کی جاتی، جس کی وجہ سے ہر کس و نا کس بلا قید و بند اخبار بینی کے شوق کی تکمیل میں مادر پدر آزاد ہو رہا ہے، اور شترِ بے مہار کی طرح اخباروں پر ٹوٹا پڑا ہے۔

اگر ذرا سا ذہن خالی کر کے اور طبیعت کو عدل و انصاف کے تابع بنا کر اخباری دنیا کے ساتھ عوامی تعلقات و روابط کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنے میں ذرا مبالغہ محسوس نہیں ہوگا، کہ آج کے انسان نے اپنا اوڑھنا بچھونا اور زندگی کا اہم مقصد اخباری دنیا کو بنالیا اور مال و دولت و زندگی کا قیمتی سرمایہ اخباری دنیا کے حوالہ کر دیا ہے۔

اخباری دنیا کے ساتھ اس طرزِ عمل کا شرعی نقطۂ نظر سے جواز مشکل نظر آتا ہے۔

کیونکہ اخبار بینی نماز روزہ کی طرح کا کوئی اہم دینی و شرعی حکم تو ہے نہیں، زیادہ سے زیادہ بعض شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ بعض لوگوں کے حق میں جائز عمل قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن عوامی سطح پر نہ تو اخبار بینی کی شرائط اور حدود و قیود کی رعایت ہے اور رعایت تو بعد کی چیز ہے ان شرائط کا اکثر عوام کو علم بھی نہیں اور اگر علم بھی ہو تو آزاد نفس عوام سے ان شرائط اور حدود و قیود کی رعایت ایک مشکل سی بات ہے، خصوصاً جبکہ اخباری دنیا میں ہر طرف بے حیائی، فحاشی، جھوٹ، فریب، غیبت اور بہتان تراشی جیسے لاکھوں فتنے بھی جمع ہوں اور ان چیزوں کے بغیر اخبار کو اخبار ہی نہ سمجھا جاتا ہو۔

ہمیں اخبارات کے مفید پہلوؤں سے انکار نہیں لیکن ہماری بحث اس وقت اس سے ہے کہ بحیثیتِ مجموعی عوامی نقطۂ نظر سے ان فوائد کی نسبت مفاسد کے مقابلہ میں کیا ہے؟

ہزار میں سے ایک آدھ اخبار کا بعض یا اکثر مفاسد سے پاک ہونا اور بعض گِنے چُنے افراد کا شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے بوقتِ ضرورت معمولی اخبار بینی کا معاملہ عام لوگوں کے مجموعی طرزِ عمل سے مختلف چیز ہے۔

سو اُمید ہے کہ ہماری مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر نیک نیت و منصف ایک عام قاری کو فیصلہ کر کے اپنے آپ کو اخباری دنیا کے دنیاوی و اُخروی نقصانات سے بچاتے ہوئے دینی و اصلاحی مضامین و رسائل کے مطالعہ اور اللہ کے ذکر و تلاوت یا کسی دوسرے مفید کام میں مشغول رکھنا کوئی بھی مشکل نہ ہوگا۔

محمد رضوان۔ ۲۵/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۲۱، آیت نمبر ۲۶، ۲۷) مفتی محمد رضوان

قرآن مجید میں مچھر جیسی حقیر مثالوں پر شبہ کا جواب

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا. فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ. وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلاً یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا. وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا. وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ شرماتے نہیں اس بات سے کہ بیان کریں کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بھی بڑھ کر ہو، سو جو لوگ مؤمن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ کیا مطلب تھا اللہ تعالیٰ کو اس مثال سے، گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو، اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو ♍ جو توڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد، اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جوڑنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں، بس یہ لوگ پورے خسارے میں پڑنے والے ہیں ♍

تفسیر و تشریح

گذشتہ آیات میں قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل کا ذکر تھا، اب مذکورہ آیات میں قرآن مجید کے منکرین کے ایک شبہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ قرآن مجید میں مکھی اور مچھر جیسے حقیر جانوروں کا ذکر آیا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی عظمت کے خلاف ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی

Idara Ghufran

حقیر، کمزور اور گھناؤنی چیزوں کا ذکر نہ ہوتا، کیونکہ ایسی چیزوں کا ذکر بڑے لوگوں کی شان کے لائق نہیں ہوتا، بڑے لوگ ایسی چیزوں کے ذکر سے شرم وحیاء محسوس کرتے ہیں۔

جواب یہ دیا گیا کہ مثال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مثال دینے والے کی شان کے مطابق ہو بلکہ اس چیز کی شان کے مطابق ہونا ضروری ہے جس کی مثال دی جارہی ہے اور جب کسی حقیر وذلیل چیز کے بارے میں مثال دینی ہو تو اس حقیر وذلیل چیز کی کسی ایسی ہی حقیر وذلیل چیز سے مثال دینا عقل اور موقع کی مناسبت کا تقاضا ہوتا ہے، کیونکہ مثال دینے کا مقصد اور غرض کسی چیز کی وضاحت اور تفصیل کرنا ہوتی ہے لہٰذا جس طرح عزیز وعظیم چیز کی مثال اس کی شان کے مطابق عزیز اور عظیم چیز سے دی جانا ضروری ہے اسی طرح حقیر چیز کی مثال مکھی مچھر اور مکڑی جیسی حقیر اور کمزور چیز سے دینا ہی ضروری ہوتا ہے تاکہ اس چیز کی حقارت اور ذلت واضح ہوجائے، کسی عظیم چیز کی مثال حقیر چیز سے اور حقیر چیز کی مثال عظیم چیز سے پیش کرنا احمقوں اور بے وقوفوں کا کام ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی حقیر وکمزور اور گھناؤنی چیز کی وضاحت کرنے کے لئے کسی حقیر وکمزور اور گھناؤنی چیز کو مثال میں ذکر کرنا شرم وحیاء کے قطعاً خلاف نہیں ہوتا بلکہ عقل ودانائی کی علامت ونشانی ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کے ذکر سے نہیں شرماتے (معارف القرآن عثمانی وادریسی بتغیر)

اور یہ بھی بتلا دیا کہ ایسے احمقانہ شبہات صرف اُن لوگوں کو پیدا ہوا کرتے ہیں جن کے دل ودماغ سے اُن کے کفر کی وجہ سے سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت ہی جاتی رہی ہو، ورنہ جن کے دل ودماغ ایمان کی وجہ سے روشن ومنور ہیں، ان کو کبھی ایسے شبہات دامن گیر نہیں ہوتے (معارفُ القرآن عثمانی بتغیر)

یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ”یعنی اس مثال کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتے ہیں“

قرآن مجید میں حقیر وذلیل مثال پیش کرنے کی ایک حکمت ومصلحت یہ بتلائی گئی کہ ایسی مثالوں کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان ہوتا ہے، چنانچہ غور وفکر اور عقل کا صحیح استعمال کرنے والوں کے لئے یہ مثالیں ہدایت کا سامان بن جاتی ہیں اور غفلت ولاپرواہی برتنے والوں کے لئے اور زیادہ گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اور اس کی مثالوں کے ذریعہ بہت سے لوگ ہدایت پالیتے ہیں اور بہت سے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں، کیونکہ جس طرح یہ قرآن اپنے ماننے اور عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے اسی طرح انکار اور مخالفت کرنے والوں کے لئے گمراہی کا بھی ذریعہ ہے (معارفُ القرآن عثمانی بتغیر)

قرآن مجید اوراس کی مثالیں اپنی ذات میں سب حق اور ہدایت ہیں، صحیح مزاج اور سلیم طبیعت والے ان مثالوں کو سُنتے ہیں اوران میں غوروفکر کرتے ہیں توان کی ہدایت میں اوراضافہ ہوتا ہےاوران مثالوں سے ان کو صراطِ مستقیم اورحق کا راستہ خوب واضح ہو جاتا ہےاورجن کی روح کا مزاج کُفر وفسق کی وجہ سے فاسد اورخراب ہو چکا اوربگڑ چکا ہے ان کوان مثالوں سے کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ ان کی گمراہی میں اورزیادتی ہو جاتی ہے، فاسداوربگڑے ہوئے مزاج والے کوجس قدر بہتر غذادی جاتی ہےاسی قدراس کے فساد، بگاڑ اورمرض میں اضافہ ہو جاتا ہے (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے درجے اور طریقے

ہدایت دینے کا ایک درجہ اورطریقہ ''ہدایتِ بیان'' کہلاتا ہے یعنی حق کو بیان کرنا اورواضح کرنا اورلوگوں کوحق کی تعلیم اوردعوت دینا۔اس معنیٰ کے اعتبار سے ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اوراس کے انبیاء اوررسولوں کی طرف اوراہلِ حق علماء سب کی طرف ہو سکتی ہے،یعنی ہدایت کا یہ درجہ اورطریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندے دونوں انجام دے سکتے ہیں۔ہدایت دینے کا دوسرا درجہ اورطریقہ ''ہدایتِ توفیق'' کہلاتا ہے،یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کے لئے اپنی اطاعت اورفرمانبرداری کواس کی خواہش اورطبیعت کے میلان کے ایسا موافق بنا دینا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری لذیذ اورمیٹھی معلوم ہو اوراس کی نافرمانی کڑوی معلوم ہو۔ہدایت کا یہ درجہ اورطریقہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، کسی اورکواس پرقدرت حاصل نہیں۔

اسی طرح ہدایت دینے کے مقابلہ میں گمراہ کرنے کے بھی دودرجے اوردوطریقے ہیں۔ایک درجہ اورطریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اورگناہ کی دعوت دینا اورگناہ ونافرمانی کومزین اورخوبصورت کر کے ظاہر کرنا اورحق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنا۔گمراہ کرنے کا یہ درجہ اورطریقہ شیاطین اوراخوانِ شیاطین اورائمۃ الکفر کی طرف منسوب ہوتا ہے،یعنی اس طرح گمراہ کرنے کا عمل شیطان اورشیطان کے رُفقاء اورکفر کے سرغنے انجام دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف کبھی اس گمراہ کرنے کی نسبت نہیں کی جاسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس طرح کسی کوگمراہ کرنے سے پاک ہیں۔گمراہ کرنے کا دوسرا درجہ اوردوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق ولُطف اوررحمت سے کسی کومحروم فرمادیں اوراللہ تعالیٰ اُس شخص کوہی محروم فرماتے ہیں جواللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے اوراس کے نبی اوررسولوں کے ساتھ تمسخر کرے۔یہ گمراہ کرنا حقیقت

میں خود لوگوں کے اپنے ظلم اور زیادتی کی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔اوپر کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے سے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا دوسرا درجہ اور دوسرا طریقہ مراد ہے،اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو اس طرح ہدایت دینا یا گمراہ کرنا قابلِ شبہ بات نہیں (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ''یعنی اللہ تعالیٰ اس مثال سے صرف نافرمانی کرنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں''

یہ بتلادیا گیا کہ قرآن مجید کی ان مثالوں سے صرف ایسے سرکش لوگ گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں اور جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ لوگ ان کو توڑتے ہیں، جس کا نتیجہ زمین میں فساد پھیلانا ہوتا ہے (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

فاسق کی تعریف وتحقیق:اطاعت وفرمانبرداری سے خارج ہونے والے کو فاسق کہا جاتا ہے۔

فاسق کا لفظ کافر ومؤمن دونوں کو شامل ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جانا کفرو انکار کی وجہ سے بھی ہوتا ہے،اور عملی نافرمانی کی وجہ سے، بہرحال کافر کا فسق مؤمن گناہ گار کے فسق سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔قرآن مجید میں فاسق یا فاسقین کے الفاظ زیادہ تر کافروں کے لئے اور کہیں کہیں مؤمن گناہگاروں کے لئے استعمال ہوئے ہیں،کافر فاسق تو ایمان کی حدود سے خارج ہوجاتا ہے اور گناہگار مؤمن ایمان کی حدود سے خارج نہیں ہوتا مگر اطاعت وفرمانبرداری کی حدود سے خارج ہوتا ہے اور فقہاء کے نزدیک فاسق کا لفظ عموماً گناہگار مؤمن کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو شخص کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو اور اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ کو مسلسل کرتا رہے،صغیرہ گنا کی عادت بنالے وہ فقہاء کے نزدیک فاسق کہلاتا ہے،اور جو شخص یہ فسقیہ کام علانیہ اور کھلم کھلا جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو ''فاجر'' کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں فاسقین سے مراد کافرین ہیں اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان مثالوں سے وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے نکل جاتے ہیں (معارف القرآن عثمانی وادریسی بتغیر)

عہد ومیثاق کی حقیقت

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ''یعنی جو توڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد''

عہد معاملہ کی اس صورت اور معاہدے کو کہا جاتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائے، اور میثاق ایسے معاہدے کو کہا جاتا ہے جو قسم وغیرہ کے ساتھ مضبوط و پختہ کیا جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فاسق کافروں کی پہلی خصلت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں، اس عہد سے مراد یا تو وہ ازلی عہد ہے جو تمام انسانوں نے اپنے رب سے اس وقت باندھا اور طے کیا تھا، جبکہ اس عالم میں انسانوں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام پیدا ہونے والے انسانوں کی روحوں کو جمع کر کے ایک سوال یہ فرمایا تھا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ''یعنی کیا میں تمہارا رب اور پروردگار نہیں ہوں؟ اس پر سب روحوں نے بیک زبان ہو کر کہا تھا کہ ''بَلٰی''یعنی آپ رب کیوں نہ ہوتے بلاشک و شبہ آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں۔ یعنی بڑی تاکید اور مضبوطی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رب اور پروردگار ہونے کا اقرار و میثاق کیا تھا، جس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے ذرا باہر نہ نکلا جائے، جب یہ ازلی عہد''جس کو عہدِ اَلَسْتُ بھی کہا جاتا ہے''انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پختہ طریقہ پر طے پاچکا تھا تو اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تمام نبی اور آسمانی کتابیں اسی عہد و معاہدے کی یاددھیانی اور تجدید اور اس پر عمل کی تفصیلات بتلانے کے لئے آتے ہیں، جس نے اس معاہدے ہی کو توڑ ڈالا اس سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی نبی یا آسمانی کتاب سے فائدہ اٹھائے (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

یا وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہودیوں سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کے متعلق کیا تھا یا اس عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو دی ہوئی عقل ہے جو اپنے خالق و مالک کو پہچاننے اور اس پر ایمان لانے کا ذریعہ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عہد سے مراد عام ہے خواہ عقل یا عالمِ ازل والا عہد ہو یا توریت وانجیل میں حضور ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہو (معارف القرآن ادریسی وانوارُ البیان بتغیر)

اس جملہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عہد و معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا سخت ترین گناہ ہے اور شدید نقصان اور خسارہ کا باعث ہے (معارفُ القرآن عثمانی بتغیر)

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ''یعنی قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جوڑنے کا''

اس جملہ میں فاسق کافروں کی دوسری خصلت یہ بیان کی گئی کہ ان لوگوں نے ان تمام تعلقات کو ختم اور کاٹ

ڈالا'' جسے قطع کرنا کہا جاتا ہے'' کہ جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، ان تعلقات میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اور وہ تعلق بھی داخل ہے جو انسان کا اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے ہوتا ہے اور وہ تعلق بھی داخل ہے جو ایک انسان کا اپنے پڑوسی اور دوسرے شرکائے کار کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تعلق بھی داخل ہے جو عام مسلمانوں یا عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، غرضیکہ وہ تمام تعلقات جن کو اللہ تعالیٰ نے قائم اور باقی رکھنے کا حکم دیا ہے وہ سب اس میں داخل ہیں خواہ اللہ سے متعلق ہوں یا نبیوں سے متعلق ہوں یا اپنے رشتہ داروں سے متعلق ہوں یا اجنبیوں سے متعلق ہوں۔ ان تمام تعلقات کے پورے پورے حقوق ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے، اور انہی حقوق میں کوتاہی کرنے سے ساری زمین میں فساد آتا ہے، اس لئے اس سے اگلے جملے میں فرمایا:

وَيُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ''یعنی یہ لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں''

اس جملہ میں فاسق کافروں کی یہ خصلت بیان فرمائی کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں، فساد بگاڑ کو کہتے ہیں، کفر و شرک خود بھی فساد ہے اور حق کو نہ پہچاننا یہ بھی فساد ہے (بیانُ القرآن وانوارُالبیان بتغیر)

اس سے معلوم ہوا کہ جن تعلقات کو قائم رکھنے کا اسلامی شریعت نے حکم دیا ہے ان کا قائم رکھنا ضروری اور ان کو کاٹنا و قطع کرنا حرام ہے، اور دین و مذہب ان ہی حدود و قیود کا نام ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اس عالم کی اصلاح اور فساد انہی تعلقات کو جوڑنے اور توڑنے پر موقوف ہے (معارفُ القرآن عثمانی بتغیر)

اور آخر میں ایسا کرنے والے لوگوں کے بُرے انجام کا ذکر اس طرح فرمایا گیا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ''یعنی بس یہ لوگ پورے خسارے میں پڑنے والے ہیں''

دنیا میں آخرت کی تجارت کے لئے آئے تھے، نفع تو کیا حاصل کرتے اپنا اصل سرمایہ اور رأس المال یعنی عقل اور صحیح فطرت کی شکل میں ان کے پاس تھا اس کو بھی ضائع اور برباد کر دیا، اور ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا، اور آخرت کی تباہی کو اپنے سر مسلط کیا (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

قرآن مجید کے مذکورہ جملہ میں خسارہ اور نقصان والا صرف اسی شخص کو قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے، اس میں اشارہ ہے کہ اصل خسارہ اور نقصان آخرت ہی کا ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کا خسارہ اور نقصان کوئی قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ چیز نہیں (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

درسِ حدیث

مفتی محمد یونس

احادیث مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

اذان کے فضائل

’’عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ںِالْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَایَسْمَعُ مَدیٰ صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وِلَآاِنْسٌ وَلَاشَیٌٔ اِلَّاشَھِدَلَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ‘‘(رواہ البخاری از مشکوٰۃ ص ٦٤)

ترجمہ:’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی انتہائی آواز (جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک اس) کو جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں (اس کے ایماندار ہونے کی) گواہی دے گی

(بخاری از مشکوٰۃ ص ٦٤)

تشریح:اس حدیث شریف میں اذان کہنے کی یہ فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اذان کہنے والے کی انتہائی آواز جہاں تک پہنچے گی وہاں تک جن وانس اوران کے علاوہ دیگر کائنات کی جو چیز بھی اس انتہائی آواز کو سنے گی وہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دے گی۔

حدیث شریف میں ’’صوت المؤذن‘‘ کی بجائے ’’مدیٰ صوت المؤذن‘‘ کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں، مدیٰ کے معنی انتہاء یعنی اخیر کے ہیں اورآواز کی انتہاء یہ ہے کہ اس کی بھنک کان میں پڑے اور یہ سمجھ نہ آئے کہ آواز دینے والا کیا کہہ رہا ہے، یہاں اگرچہ اذان کی فضیلت کے لئے یہی ذکر کافی تھا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے الخ، لیکن ’’مدیٰ‘‘ بمعنیٰ انتہاء کا لفظ لاکر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جن کے کان میں آواز کی محض بھنک پڑجائے گی جب وہ مخلوقات بھی مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گی تو وہ اشیاء تو بطریقِ اولیٰ گواہ ہونگی جو مؤذن کے قریب ہونے کی وجہ سے اذان کے الفاظ کو سمجھیں گی۔

بعض شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے مؤذنوں کو نہایت بلند آواز سے اذان کہنے کی ترغیب دلانی مقصود ہے تاکہ ان کے ایمان کی گواہی دینے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے کانوں میں اذان کی آواز محض آ گئی وہ بھی مؤذن کے ایمان پر گواہ

ہو جائے گا، اگر چہ اسے اذان کے الفاظ یا الفاظ کا مفہوم سمجھ نہ آئے، جیسے بچہ، مجنون اور چوپائے وغیرہ۔

دوسری بات حدیث شریف سے یہ معلوم ہوئی کہ مؤذن کی اذان جنات اور انسانوں جیسی عقل وفہم رکھنے والی مخلوقات کے علاوہ عقل وفہم سے محروم مخلوقات یعنی حیوانات ونباتات بلکہ بے جان مخلوقات یعنی جمادات وغیرہ بھی سنتی ہیں اور یہ چیزیں بھی مؤذن کے حق میں بروزِ قیامت گواہ ہونگی اس لئے کہ حدیث شریف میں جن وانس کے لفظ کے بعد ''شیٔ'' کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے، جس کی وضاحت شارحین نے نباتات، حیوانات اور جمادات کے ساتھ کی ہے، علاوہ اس کے کہ شیٔ کا مفہوم بہت وسیع ہے اور یہ لفظ نباتات، حیوانات وجمادات سب کو شامل ہے، بعض احادیث ایسی بھی مروی ہیں جن میں درخت پتھر وغیرہ کی صراحت موجود ہے، چنانچہ امام ابنِ ماجہ رحمہ اللہ سے اسی روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں ''......وَلَا حَجَرَ وَلَا شَجَرَ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ یعنی......''اور نہ کوئی پتھر اور نہ کوئی درخت (مؤذن کی آواز کو سنتا ہے) مگر اس کے حق میں گواہی دے گا'' (ابنِ ماجہ ص۵۳) اور ایک روایت میں الفاظ حدیث یوں ہیں: (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: مؤذن کی آواز کوئی درخت، ڈھیلا، پتھر، جن اور انسان سن لے تو قیامت کے دن وہ اس کے حق میں گواہی دے گا (صحیح ابنِ خزیمہ ج۱ ص۲۰۳) ایک اور روایت جس کے راوی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مؤذن کی مغفرت کردی جائے گی جہاں تک اس کی اذان پہنچے (یعنی اگر اتنی مسافت تک اس کے گناہ بھرے ہوئے ہوں تو وہ سب بخش دیئے جاتے ہیں) اور ہر تر اور خشک مخلوق جس نے اس کی اذان سنی اس کے لئے استغفار کرتی ہے (طبرانی کبیر، بزار بحوالہ فضائل اذان واقامت ص۵۷، مؤلفہ حبیب الرحمٰن ہاشمی) اس حدیث سے مؤذن کے گناہوں کی بخشش ہو جانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی اور اس جیسی دیگر تر چیزیں بھی مؤذن کے حق میں استغفار کرتی ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

رہا یہ سوال کہ جب شیٔ کا لفظ عام ہے جو حیوانات اور نباتات کے علاوہ جمادات کو بھی شامل ہے جن کا بے حس و بے شعور ہونا واضح ہے تو ان کا اذان سننے اور مؤذن کے حق میں گواہ ہونے کا کیا مطلب؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو فہم وادراک کا ایک خاص درجہ عطا فرمایا ہے جو حکمتِ خداوندی کے تحت کسی میں نمایاں ہے کسی میں درمیانی اور کسی میں بہت ہی کمزور ہے، چنانچہ جن وانس میں

حیات اورفہم وادراک کا درجہ بہت قوی اورنمایاں ہے،حیوانات میں حیات اورسننا تو مشاہدے کی وجہ سے یقینی ہے جیسے چوپایوں اوردرندوں ، پرندوں وغیرہ میں اوران میں فہم بھی ہے اگر چہ ناقص ہے، چنانچہ حیوانات چرندوپرند میں اتنی سمجھ ہے کہ اپنی مَن پسند خوراک کو پہچان کر کھاتے پیتے ہیں، بچوں کی پرورش کرتے ہیں،موذی چیزوں (سانپ،بچھو وغیرہ) سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اپنے مجازی مالک کے اشاروں کوسمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ،لیکن ان کی سمجھ اس درجے کی نہیں ہے کہ احکامِ خداوندی کے مکلّف ٹھہرائے جائیں،ایسی مخلوقات کےاذان سننے میں تو کوئی اشکال نہیں،اسی طرح نباتات میں بھی نشو ونما کی وجہ سے ایک خاص نوعیت کی حیات اب فہم سے بالاترنہیں رہی،لیکن ان کا فہم وادراک حیوانات کے فہم وادراک کی بہ نسبت بہت کمزور ہے،اور عامیانہ سوچ کے لئے ناقابلِ فہم ہے،اور جمادات کا معاملہ تو اس سے بھی کمزورتر ہے کیونکہ ان کے بے جان اور بے حس وبےشعور ہونا ظاہری نظر میں بالکل بدیہی ہے لیکن یہ سب ہمارے اعتبار سے ہے، چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند　　　　بامن وتو مردہ باحق زندہ اند

(ہوا، آگ، پانی اورمٹی اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان مخلوق ہے، میری تیری نظر میں تو بے جان ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے شعوادراک رکھتے ہیں)

ورنہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں ایک طرح کا شعوراوراپنی معرفت کا حصہ رکھاہے،جس کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز اپنے انداز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے،اس لئے جب مؤذن اذان دیتاہے اوراس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اوراس کی توحیداوراس کے رسول کی رسالت کی شہادت اورنماز وکامیابی کی دعوت کا اعلان کرتاہےتو جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کوسنتی ہے اور بروزِ قیامت اس کی گواہی دیں گی۔

اذان کے مزید فضائل

اس حدیث کے علاوہ بھی متعدداحادیث میں اذان کی فضیلت ارشادفرمائی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ’’اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلہ میں درازگردن (یعنی سربلند) ہونگے‘‘ (مسلم) درازگردن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں جن میں زیادہ دل کو لگنے والامطلب یہ ہے کہ مؤذنین کے سر قیامت کے دن فخر سے بلند ہونگے ، کیونکہ انہوں دنیامیں

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور توحید و رسالت کی گواہی کی آواز کو بلند کیا تھا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت جان لیں اور پھر قرعہ اندازی کے بغیر یہ فضیلت حاصل نہ ہو سکے تو اس کے لئے قرعہ اندازی (ضرور) کریں (بخاری مسلم) یعنی اذان اور صفِ اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا بہت زیادہ شوق پیدا ہو جاتا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اذان دینے والے اور تلبیہ پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے کہ مؤذن اذان دے رہا ہوگا اور تلبیہ پڑھنے والا "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" پکار رہا ہوگا (طبرانی فی الاوسط)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ مشک کے ٹیلوں پر (تفریح کر رہے) ہونگے، ایک وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے، دوسرے وہ شخص جو لوگوں کا امام ہو اس طرح کے لوگ اس سے راضی ہوں، تیسرے وہ مؤذن جو پانچوں نمازوں کے لئے اذان دیتا ہو (مسند احمد، سنن ترمذی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: ثواب کی امید رکھنے والا مؤذن اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لت پت ہو، مؤذن جو چاہتا ہے وہ اذان و اقامت کے درمیان اللہ تعالیٰ سے تمنا کرے (طبرانی فی الاوسط)

فائدہ: اس حدیث شریف میں مؤذن کو مقام و مرتبہ کے لحاظ سے شہید کی طرح قرار دیا ہے، جو ایک اعلیٰ مرتبہ ہے، مؤذن جو چاہتا ہے الخ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا مؤذن کو اس وقت اپنی جائز تمنا اللہ کے حضور میں پیش کرنی چاہئے۔

ایک حدیث میں مطلقاً یہ ارشاد ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی (سنن ابی داؤد، سنن ترمذی) یعنی اس وقت دعا کرنے سے قبولیت کی زیادہ توقع ہے، لیکن اس حدیث میں یہ قید بھی ہے کہ وہ ثواب کی امید پر اذان دینے والا ہو، جیسے کہ شہادت کا مقام و مرتبہ دراصل اسی کو ملتا ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان کی قربانی دے، اس سے معلوم ہوا کہ مؤذن کو یہ تمام فضائل اسی صورت میں مل سکتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کے ارادے سے اذان دے، لہٰذا جن لوگوں نے اذان کو مال کمانے کا ایک ذریعہ سمجھ کر بطور پیشہ اختیار کر رکھا ہے ان کو یہ فضائل و ثواب حاصل ہونا مشکل ہے، کیونکہ ثواب ملنا کام کرنے والے کی نیت پر موقوف ہوتا ہے، جب نیت ہی

مال حاصل کرنے کی ہوتو ثواب نہ ملے گا، ہاں جس شخص کی نیت تو دراصل عبادت اور ثواب حاصل کرنے کی ہے، مگر مجبوری کی وجہ سے گزارے کیلئے اجرت قبول کر رہا ہے تو اسے ان شاء اللہ ثواب ملے گا، اس لئے مؤذنین حضرات کو چاہئے کہ اپنی نیتوں کو خالص کرلیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص سات سال تک ثواب کی امید رکھتے ہوئے (یعنی ثواب حاصل کرنے کے ارادے سے نہ کہ اجرت حاصل کرنے کے لئے) اذان دے گا اس کے لئے جہنم سے براءت کا پروانہ لکھ دیا جائے گا (سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: جس نے بارہ سال اذان دی جنت اس کے لئے واجب ہوگئی، اور اس کے لئے ہر روز کے اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی (ابنِ ماجہ، دارقطنی، مستدرک حاکم صحیح علیٰ شرط البخاری)

فائدہ: اس حدیث شریف میں بارہ سال اذان دینے پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس میں ان حضرات کے لئے بڑی فضیلت ہے جو سالہا سال تک اذان دیتے رہتے ہیں لیکن اس فضیلت کے حصول کے لئے بھی اخلاص بنیادی شرط ہے، پھر اذان کے بدلے ساٹھ اور اقامت کے بدلے تیس نیکیاں ملنے کی فضیلت ارشاد فرمائی، اس فرق کی وجہ شاید یہ ہو کہ اقامت حاضرین کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ اذان حاضرین وغائبین دونوں قسم کے لوگوں کے لئے ایک عمومی دعوت واعلان ہے، یا اقامت میں سہولت ہونے اور اذان میں بلند جگہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے دینے کی مشقت ہونے کی وجہ سے نیکیوں میں یہ فرق رکھا گیا ہو، کیونکہ اجر وثواب بقدرِ مشقت کے ملتا ہے، پھر ساٹھ یا تیس نیکیاں ملنا بظاہر اس کے ساتھ مشروط معلوم نہیں ہوتا کہ بارہ سال تک پابندی کے ساتھ اذان دی جائے، بلکہ یہ نیکیاں ہر اذان دینے والے اور اقامت کہنے والے کو ملنا حدیث شریف سے سمجھ آتا ہے، اس لئے کہ بارہ سال اذان دینے کی شرط کا تعلق صرف جنت واجب ہونے کے ساتھ ہے، واللہ اعلم۔

اس لئے اگر مستقل کوئی شخص مؤذن نہ ہو تب بھی اسے حسبِ موقعہ اذان دے کر یہ فضائل حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن یاد رہے کہ اذان کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط وآداب ہیں ان کو ضرور ملحوظ رکھا جائے، نیز ہر مسجد کے کچھ اپنے انتظامی معاملات بھی ہوتے ہیں ان کا خیال رکھنا بھی لازم ہے، ورنہ بسا اوقات فضیلت حاصل ہونا تو درکنار الٹا وبال سر پہ پڑتا ہے۔ واللہ الموفق

بسلسلہ: تاریخی معلومات مولوی طارق محمود/ مولوی سعید افضل

ماہ جمادی الثانیہ: دوسری صدی ہجری کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۰۳ھ**: میں مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۶)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۰۴ھ**: میں عامر شعبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۶)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۱۰ھ**: میں ارضِ روم کی جنگ ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۸)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۱۳ھ**: میں حضرت مکحول رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۹)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۱۵ھ**: میں کوفہ کے قاضی الحکم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۹)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ**: میں خلیفہ ولید ثانی کا قتل ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۳۲)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۳۲ھ**: میں عبداللہ سفاح نے کوفہ میں لوگوں سے حکومت کی بیعت لی اور اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان بن مروان کے مقابلے میں بھیجا، اس لڑائی میں مروان کو ایک لاکھ لشکر کے ہوتے ہوئے بھی شکست ہوئی، شکست زاب کے مقام پر ہوئی، پھر مروان بھاگ گیا اور سفاح کے چچا نے اس جزیرہ کا کنٹرول سنبھالا (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۱۷۴) (سعید افضل)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۵۸ھ**: میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام زفر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۴۰) آپ کا پورا نام زفر بن ھذیل بن قیس العنبر ی تھا، ۱۱۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ بہت بڑے فقیہہ اور محدث تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے آپ کے متعلق فرمایا "ھذا زفر امام من ائمۃ المسلمین" یہ امام زفر ہیں مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام، بصرہ میں انتقال ہوا (تاریخِ ملت ج ۲ ص ۱۵۱)
- ......**ماہِ جمادی الثانیہ ۱۶۰ھ**: میں امام شعبہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۰) آپ کا پورا نام شعبہ بن الحجاج الورد العتکی الازدی تھا، ابو بسطام کینت تھی، بعد میں آپ بصرہ منتقل ہوگئے، آپ نے حضرت حسن بصری اور ابنِ سیرین رحمہما اللہ کی زیارت کی ہے، اور بڑے بڑے تابعین حضرات سے آپ روایت کرتے ہیں، اسی طرح بہت سے مشائخ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو اہلِ عراق حدیث نہ سمجھتے (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ثم دخلت سنۃ ستین ومائۃ)

☐...... **ماہِ جمادی الثانیہ ۱۷۰ھ:** میں امام خلیل النحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۴۳) آپ کا پورا نام خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ابوعبدالرحمٰن الفراہیدی تھا، آپ علم نحو کے امام سمجھے جاتے ہیں، آپ سے امام سیبویہ، نضر بن شمیل وغیرہ اکابرین نے علم حاصل کیا، آپ کو علمِ لغت میں بھی بڑا مقام حاصل تھا (البدایہ والنہایہ ج۱۰، ثم دخلت سنۃ سبعین ومائۃ)

☐...... **ماہِ جمادی الثانیہ ۱۸۸ھ:** میں ابراہیم بن اسرائیل نے روم کے شہروں پر چڑھائی کی (تقویمِ تاریخی ص۴۷) رومیوں کی طرف سے النقفور ان کے مقابلے کے لئے نکلا، لیکن اس جنگ میں نقفور سخت زخمی ہوا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور چالیس ہزار کے قریب اس کے فوجی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا (البدایہ والنہایہ ج۱۰، ثم دخلت سنۃ ثمان وثمانین ومائۃ)

☐...... **ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۲ھ:** میں عرعرہ بن البرند بن النعمان بن علجۃ کی وفات ہوئی، آپ کی کنیت ابومحمد تھی، اور عباسی خلیفہ ھارون الرشید کے عہدِ خلافت میں وفات ہوئی، بعض نے ان کی وفات رجب کے مہینے میں لکھی ہے (الطبقات الکبریٰ ج۷ ص۲۹۲)

☐...... **ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۳ھ:** میں عباسی خلیفہ ھارون الرشید کی وفات خراسان کے علاقے طوس کے مقام پر ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال تھی، بعض کے نزدیک اس کی ولادت ۱۵۰ھ اور بعض کے نزدیک اس کی ولادت ۱۴۶ھ میں ہوئی، مدتِ خلافت ۲۳ سال تھی (تاریخِ خلیفہ بن خیاط ج۱ ص۴۶۰)

☐...... **ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۹ھ:** میں ابنِ طباطبا کا کوفہ میں خروج ہوا، اس کا پورا نام محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب تھا، اور اس نے کوفہ پر بغیر قتال کے قبضہ کرلیا، پھر اسی سال شعبان میں اس کی وفات ہوئی (تاریخ خلیفہ بن خیاط ج۱ ص۴۶۸) (طارق محمود)

Idara Ghufran

مقالات و مضامین ترتیب: مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۳)

والدہ ماجدہ کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے متعلق ایک سچّا خواب

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کی والدہ ماجدہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جواب بھی تحریر فرمایا تھا، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ نے یہ خواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے جواب سمیت خاتمۃ السوانح میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

ایک خادمہ رئیسہ نے حضرت اقدس کی وفات سے چھ ماہ قبل جبکہ اس قسم کے خیال کی کوئی وجہ بھی نہ تھی ایک خواب دیکھا جو مع جواب حضرت والا رحمہ اللہ اصدق الرؤیا سے نقل کیا جاتا ہے۔

خواب: میں نے دو تین دن ہوئے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ پر گئی ہوں وہاں پر کسی تقریب کے سلسلہ میں فرش فروش اور سامان وغیرہ موجود ہے مگر وہ تقریب ختم ہو چکی ہے اور سامان وغیرہ اُٹھایا جا رہا ہے کوئی شخص موجود ہیں میں نے اُن سے دریافتِ حال کیا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ یہاں تشریف لائے تھے میں نے پوچھا کہ حضور کیا فرماتے تھے، کچھ فرمایا؟ تو اس شخص نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ مولانا اشرف علی کو غروب ہوتا ہوا آفتاب سمجھو، میں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عمر بڑھا دے گا مگر جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے دل کو ایک گونہ پریشانی ہے۔

الجواب: پریشانی کی کوئی بات نہیں اس میں کوئی لفظ قریب زمانہ کا نہیں اور اگر کوئی ایسا لفظ اس میں مان لیا جائے تو قرب کی کوئی حد نہیں۔ قرآن مجید میں قیامت کو قریب فرمایا ہے جس کا اب تک بھی وقوع نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ مقصود اس عنوان سے یہ مشورہ دینا ہو کہ دین حاصل کرنے میں دیر نہ کی جائے، اس قرب کا خیال رکھا جاوے، یہ تو خواب کے معنی میں گفتگو تھی، ایک شبہ کا جواب باقی ہے کہ امتی کو آفتاب فرمانا اور صحابہ کو نجوم فرمانا اس سے امتی

کی تفضیل کا شبہ نہ کیا جاوے، وجہ تشبیہ دونوں جگہ جُدا جُدا ہیں، نیز صحابہ اور نجوم میں تعدد مشترک ہے اور اس اُمتی اور آفتاب میں توحد ہے یہ تفاوت کی وجہ ہے دونوں تشبیہوں میں، ورنہ دوسری حدیث میں صحابہ کو انبیاء سے اور ملائکہ سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جن کے سامنے آفتاب بلکہ آسمانوں کی بھی کوئی حقیقت نہیں، پھر اس شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ ۲۰ رمحرم ۶۲ھ۔

۲۰ رمحرم کا یہ جواب ہے اور خط میں اس رئیسہ نے لکھا ہے کہ دو تین دن ہوئے خواب دیکھا۔ حضرت اقدس سہ روزہ جواب دے دیا کرتے تھے، دو دن خط کے پہنچنے میں لگے ہوں گے تو ۱۸ر کا خط ہوگا۔ اس سے دو تین دن پہلے وہی ۱۵/۱۶ محرم حساب سے تاریخ خواب کی نکلتی ہے اور ۱۵/۱۶ ر رجب ہی کی شب کو حضرت اقدس نے رحلت فرمائی، اس حساب سے پورے چھ مہینے پہلے کا خواب ہے، اور سبحان اللہ کیا صریح خواب ہے، جس میں حضرت اقدس کو آفتاب فرمایا گیا ہے۔ اس وقت پھر اوپر والے شعر کے صرف دوسرے مصرعہ کو اس آفتاب کی تشبیہ مبارک مکرر پڑھ لینے کو جی چاہتا ہے۔ ع چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(تتمہ اشرف السوانح ج ۴ ص ۶۹ و ۷۰)

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے خواب نقل کرنے کے ساتھ ساتھ خواب کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے۔

حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم

جیسا کہ شروع میں حضرت والا کی خودنوشتہ کے ضمن میں گزرا کہ نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم (ولد خورشید علی خان مرحوم) جو کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے رشتہ میں پھوپا تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور حافظ صاحب کے نام سے معروف تھے، ان کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اپنا ملفوظ ہے جس سے حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے باہمی تعلق و محبت کا اندازہ ہوتا ہے وہ ملفوظ یہ ہے:

''ایک مرتبہ نواب جمشید علی خان صاحب نے سو روپیہ زکوٰۃ کا مدرسہ میں بھیجا اور چونکہ بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں، منی آرڈر کے کوپن میں سادگی سے یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے بے حد اشتیاق ہے آپ کو اپنا مہمان بنانے کا، میں نے منی آرڈر یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ آپ یہ رقم دے کر مجھ پر زور ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں ضرور باغپت آؤں، خواہ مجھے کوئی عذر ہی کیوں نہ

ہو، اس سے میری آزادی میں فرق آتا ہے، اس لئے آپ اپنے روپے رکھئے اور اب آنے جانے کے متعلق گفتگو کیجئے۔ بس حقیقت روشن ہوگئی، جمشید تو وہ تھے، اور جامِ جمشید میرے پاس تھا جس میں سارے حالات نظر آجاتے تھے [۱]، پھر اُن کا معذرت کا خط آیا۔ ماشاء اللہ اُن کی تہذیب اور سمجھ دیکھئے، انہوں نے لکھا کہ ''حقیقت میں مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے منی آرڈر کے ساتھ ہی تشریف آوری کی درخواست بھی کردی، میں اب بلانے کی تحریک سے رجوع کرتا ہوں اور اب اُس سے بالکل قطع نظر کر کے مکرر (دوبارہ) منی آرڈر بھیجتا ہوں، امید ہے کہ اب براہِ کرم قبول فرمالیجئے گا''

میں نے پھر منی آرڈر لے لیا، اور لکھا کہ پہلے تو آپ کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور اب آپ کی اس تہذیب کو دیکھ کر میں خود آپ سے ملنے کا مشتاق ہوگیا ہوں، لہٰذا جب آپ چاہیں اس کے متعلق مجھ سے خط وکتابت کریں۔

میں نے کہا کہ جب اُن کی دل شکنی کی ہے تو اب دل دلجوئی بھی کرنا چاہئے، ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھنا ضروری ہے (ملفوظات، الافاضات الیومیہ ج۹ص۱۴۲، مطبوعہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان)

اس واقعہ سے نواب جمشید علی خان مرحوم کی تہذیب وسمجھ اور سلیقہ مندی کا اندازہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اُن سے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو بھی ملنے کا اشتیاق ہوگیا تھا، یہ حضرت جناب جمشید علی خان مرحوم کی شرافت وکرامت کے لئے کیا کم اعزاز کی بات ہے؟ (جاری ہے......)

---

[۱] کہتے ہیں کہ ایران کے جمشید نامی بادشاہ نے ایک پیالہ بنوایا تھا جس میں دنیا کے حالات نظر آجاتے تھے۔

اصلاحی مجلس مفتی محمد رضوان

بھیڑ چال اور بدنظمی سے پرہیز کیجئے (قسط ۱)

مدیر ادارہ مفتی محمد رضوان صاحب بزرگوں کی ہدایت کے مطابق بروز اتوار بعد عصر ادارہ غفران میں اصلاحی بیان فرماتے ہیں ،مؤرخہ ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۱/جون ۲۰۰۶ء کی مجلس کا خطاب مولانا محمد ناصر صاحب نے ریکارڈ کر کے اس کو کمپیوٹر سے تحریر کیا، اب مدیر کی نظرِ ثانی واصلاح کے بعد افادۂ عام کی خاطر اسے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

’’نہایت خلافِ اصول اور بالکل لغو طریق ہے کہ سب کے سب ایک ہی کام میں لگ جائیں اور ایک ہی طرف متوجہ ہو جائیں دنیا کی متمدِّن قومیں سب اس پر متفق ہیں کہ تقسیمِ عمل ہونا چاہیے، اگر تمام ملک فوج ہی بن جائے یا پولیس ہی بن جائے یا سب کے سب دفتری ہی بن جائیں تو ہو چکا کام، اور ہو چکا ملک کا انتظام، یہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں عقلاء (یعنی عقلمند) کہاں ہیں؟ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ آج کل کے عاقل (یعنی عقلمند) آکل (یعنی کھانے پینے والے) ہیں، عقل کی ایک بات نہیں، صرف اکل (یعنی کھانے پینے) کی فکر ہے‘‘ (الافاضات الیومیۃ ج۶ص ۲۹۸، ملفوظ نمبر ۳۴۵)

تشریح:

حضرت رحمہ اللہ نے اور مقامات پر بھی اس غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے، کہ سب لوگوں کو ایک ہی طرف متوجہ ہو جانا یہ بہت بڑے نقصان کی بات ہے اور مسلمانوں میں یہ خرابی بہت زیادہ ہے، یہ خرابی مسلمانوں میں نظم اور انتظام نہ ہونے اور کام کو اُس کے اُصول سے ہٹ کر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جب متوجہ ہوتے ہیں سارے کے سارے ایک ہی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بے ڈھنگے انداز میں اُس کام میں لگ جاتے ہیں، چاہے کوئی دنیاوی کام ہو یا دینی کام ہو اور اس کا خمیازہ بھی دنیا میں بھگت تے

ہیں، چنانچہ آپ دیکھ لیجئے ہمارے یہاں یہی ہوتا ہے کہ مثلاً جب کوئی معاشی اور کاروبار کی کوئی ایسی چیز سامنے آتی ہے جو نفع بخش ہوتی ہے تو معاش کی فکر رکھنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد اسی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور چند دنوں میں اس چیز کا ایسا ستیاناس کر دیا جاتا ہے کہ اس سے لوگوں کا کوئی فائدہ ہی وابستہ نہیں رہتا، حالانکہ ہر کام کو اس تناسب کے ساتھ کرنا چاہئے کہ سے کام کرنے والوں کو فائدہ بھی حاصل ہو، اگر اس کام کے کرنے والے زیادہ ہو جائیں اور اس کام سے فائدہ اٹھانے والے لوگوں کی تعداد گھٹ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ فائدہ جو پہلے چند لوگوں کو پہنچ رہا تھا وہ تقسیم ہو جائے گا اور ایک وقت وہ آئے گا کہ کسی ایک کو بھی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا، آج ہم اپنی آنکھوں سے رات دن یہ حالت دیکھتے ہیں کہ کسی دور میں کوئی کاروبار کامیاب ہوتا ہے تو دوسرے دور میں وہ اتنا ناکام ہو جاتا ہے کہ بہت بڑا طبقہ اس کی وجہ سے نقصان میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور اپنی جمع پونجی بھی کھو بیٹھتا ہے، اس کی ایک اہم وجہ تقسیمِ عمل و تقسیمِ کار اور نظم وانتظام کا نہ ہونا ہے۔

اب دیکھئے پچھلے دنوں یہ فوٹو اسٹیٹ کے کاروبار کا اتنا زیادہ رواج ہوا، کہ فوٹو اسٹیٹ مشینوں کے ذریعے سے کاروبار کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور کام کی مقدار اس کے مقابلے میں کم ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے پچاس پچاس ہزار روپے اور لاکھ لاکھ روپے کی فوٹو اسٹیٹ مشینیں خریدی ہوئی تھیں وہ خسارے میں پڑ گئے، اور جمع پونجی کی اصل مالیت بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔

اس معاملے سے فراغت ہوئی تو ایک وقت آیا کہ لوگوں نے ٹیلی فون کے پی۔سی۔او کھولنے شروع کیے اور ہر ایک کا رجحان اسی طرف ہو گیا اور پھر اس کام نے اتنی ترقی پکڑی کہ سستی سستی کمپنیاں جو مختصر رقم سیکورٹی کے نام سے حاصل کر کے یہ شعبہ فراہم کر رہی تھیں، وجود میں آ گئیں اور یہ کاروبار یک لخت لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کام کی طلب کم ہوگئی اور رسد زیادہ ہوگئی، اور لوگوں کا بہت بڑا مالی نقصان ہوا، دس بیس ہزار چالیس ہزار کی سیکورٹی دے کر جو یہ کاروبار شروع کیا ہوا تھا، وہ سیکورٹی کی رقم بھی ضائع ہوگئی۔

اور آج کل سلسلہ موبائل فونوں کا چلا ہوا ہے، موبائل فونوں کی خرید وفروخت کی طرف عوام کا بہت رجحان ہے، جسے دیکھو وہ موبائل کی دوکان بنا رہا ہے، اس وقت یہ کاروبار ترقی پر ہے، ہر عام وخاص اس کو استعمال کر رہا ہے، کھوتے ریڑھی والوں اور جمع داروں کے پاس بھی موبائل فون موجود ہیں۔

ظاہر ہے کہ موبائل استعمال کرنے والوں کی بھی ایک مخصوص تعداد ہے، جب فروخت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوجائے گی کہ اس کے مقابلہ میں طلب کرنے والوں کی تعداد کم ہوجائے گی تو نقصان سے دوچار ہونا ظاہر ہے۔ مسلمانوں کو دوسرے لوگوں کا چار پیسے کمانا کھپتا نہیں ، جہاں دوسرے کو کسی کام میں چار پیسے کماتے ہوئے دیکھا فوراً زبان سے رال ٹپکنا شروع ہوگئی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کام میں چار لوگ ایک ایک پیسہ کر کے چار پیسے کما رہے ہیں، اگر اُسی کام کو آٹھ لوگ کریں گے تو آدھا آدھا پیسہ حصہ میں آئے گا، اور اگر سولہ لوگ اُس کام کو کریں گے تو ہر ایک کے حصے میں اس کا بھی آدھا رہ جائے گا، اور اگر اُس کام کو کرنے والوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک کے بھی ہاتھ پلے کچھ نہیں لگے گا۔ یہ ساری خرابی بدنظمی کی وجہ سے ہے، اوپر سے نیچے تک لٹیا کی لُٹیا ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے اور آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال یہ بہت بڑے نقصان کی بات ہے، دنیا کا بھی نقصان ہے اور دین کا بھی، اور دنیا کا نقصان تو ہر دفعہ سامنے آتا رہتا ہے، غربت بڑھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سب ایک وقت میں ایک ہی طرف کو چلتے ہیں، اسی کو بھیڑ چال کہتے ہیں مگر مسلمانوں کی پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اس خرابی سے بچنے کے لئے مسلمانوں میں تقسیمِ عمل اور نظم کی ضرورت ہے، ہر شعبہ میں ایک خاص مطلوبہ مقدار اور تعداد کے مطابق لوگوں کو شریک ہونا چاہیے، اور کسی بھی شعبے میں قدم رکھنے سے پہلے اس کے اچھے بُرے پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر لینی چاہیے۔

اس دفعہ حکومتِ پاکستان کے پیش کیے ہوئے بجٹ کے بارے میں معلوم ہوا کہ موبائل فون اور کمپیوٹر جیسی چیزوں سے ٹیکس کم کر کے ان چیزوں کو سستا کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ موبائل فون اور کمپیوٹر ایسی چیزیں نہیں ہے کہ جن کے بغیر آدمی زندہ نہ رہ سکے دوسری چیزیں جو روزمرہ استعمال میں آتی ہیں مثلاً، دال سبزیاں اور بجلی، گیس، پٹرول وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ساتھ ہر انسان کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے، یہ چیزیں تو مہنگی کی جارہی ہیں جن کا نقصان مسلمانوں کے عام طبقے کی طرف لوٹ رہا ہے اور جو چیزیں سستی کی گئی ہیں اُن کا فائدہ عام طور پر کافروں کی طرف لوٹ تا ہے، کیونکہ عموماً کافروں کی کمپنیاں ہی موبائل وغیرہ جیسی چیزیں تیار کرتی ہیں، اور آج کل جو کمپیوٹر چل رہے ہیں، یہ بھی کافروں کی کمپنیاں ہی بنا رہی ہیں، اس قسم کی چیزوں سے ٹیکس کم کرنے سے ان کی قیمت کم ہوجاتی ہے، اور عوام کی بڑی تعداد ان چیزوں کو خریدتی ہے، جس کا فائدہ کافروں کو پہنچتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ان چیزوں کا

عوام میں زیادہ تر استعمال عیاشی اورفحاشی وغیرہ جیسی نازیبا حرکتوں میں ہوتا ہے، عام لوگ چسکے اور مزے لینے کے لئے فون اور کمپیوٹر استعمال کرتے اور رکھتے ہیں، ضرورت میں تو عوام میں ان کا استعمال کم ہی ہوتا ہے، اور جب ان چیزوں کی قیمت اور استعمال سستا ہوجاتا ہے، تو بلاضرورت ان چیزوں کا فضول استعمال بڑھ جاتا ہے اور مال، وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ درپردہ مسلمانوں کو عیاش اور بے حیاء بنانے اور اُن کے اوقات اور صلاحیتوں کو ضائع کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں، مسلمان پہلے سے عیاشی وغیرہ میں مبتلا تھے، اب اور زیادہ ہوجائیں گے۔ یہ کافروں کی طرف سے ایک شوشہ ہوتا ہے، کہ اپنے مفادات کے لئے نئی نئی چیزیں تیار کرتے ہیں، اور مسلمان بے سوچے سمجھے ان چیزوں کا بے تکا اور اندھا دُھند استعمال شروع کرکے دین ودنیا کا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ ہمارے یہاں بھیڑ چال کا یہ معاملہ صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ عموماً دین کے معاملے میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے، کبھی دین کے رنگ میں کوئی شوشہ چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر دینی ذہن رکھنے والے سارے لوگ اسی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، تقسیمِ کار اور تقسیمِ عمل نہیں ہے، حالانکہ دین کے لئے بھی تقسیمِ کار ہونی چاہئے، اور اسی تقسیمِ عمل نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں جب بھی کوئی کام میں لگتا ہے یہی چاہتا ہے کہ بس سارے میری طرف آجائیں، چنانچہ جب جہاد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے چاہتے ہیں کہ سارے مسلمان ہی اس شعبے میں لگ جائیں، اس شعبے کے علاوہ دوسرے سب کام غلط ہیں، اگر کسی کا تبلیغی جماعت سے تعلق ہوجاتا ہے اور اُسے تبلیغی جماعت کے اُصولی کام کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی، وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ سب لوگ اس شعبے سے وابستہ ہوجائیں۔ حالانکہ اگر سارے لوگ ایک ہی شعبے میں لگ جائیں گے، تو خود وہ شعبہ بھی نہیں چل سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے تمدنی نظام میں ایک شعبے کی ضرورت کو دوسرے شعبوں کے ساتھ وابستہ فرمادیا ہے۔

ہمارے یہاں جب کسی وقت زبانی وتحریری تبصرے ہوتے ہیں تو صرف ایک ہی موضوع پر ہوتے ہیں، اخبارات میں بھی ایک ہی موضوع کو بحث کا حصہ بنالیا جاتا ہے، دینی رسالوں کے اداریوں کا موضوع ایک ہی بحث بن جاتی ہے، اور اس وقت کے بہت سے دیگر اہم موضوعات سے توجہ ہٹالی جاتی ہے، جس کا نقصان بعد میں سامنے بھی آجاتا ہے۔ بھیڑ چال چلنے میں عوام الناس کا بھی یہی حال ہے اور بہت سے اہلِ علم کا بھی یہی حال ہے۔ دنیاوی کاروبار اور دوسرے معاملات میں بھی یہی صورتِ حال

ہے جیسے میں نے چند مثالیں پیش کیں کہ جب تک کسی کام کا ستیاناس نہیں کر دیں گے، اسے چھوڑیں گے نہیں، اس کا بیڑا غرق ہی کر کے چھوڑتے ہیں، اندھا دُھند چلتے ہیں، بد نظمی ہے، سلیقہ کے ساتھ کام نہیں کرتے ۔ ہر ایک نے اپنی لاٹھی اپنی بھینس بنا رکھی ہے، دین کے ساتھ دنیا کے جو شعبے ہیں ان کو بھی برقرار رکھنا ضروری ہے جیسے نماز صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے اور عام حالات میں بھی یہ ضروری ہے کہ جسم کا ضروری حصہ ڈھکا ہوا ہو، اس کے لئے لباس کی ضرورت پڑے گی اور اس لباس کے لئے جس طرح کپڑے تیار کرنے والی فیکٹری کی ضرورت ہے، اسی طرح ایک درزی کی بھی ضرورت ہے، یہ بھی ایک مستقل شعبہ ہے ۔اسی طرح اگر بیمار ہو جائیں تو کوئی کام نہیں ہوتا، نہ دین کا صحیح کام ہوتا نہ دنیا کا، مطالعہ نہیں کر سکیں گے، نماز نہیں پڑھ سکیں گے، ذکر نہیں کر سکیں گے، بیوی بچوں کے نان نفقے کا انتظام نہیں کر سکیں گے تو طب اور ڈاکٹری کا شعبہ بھی ہر ایک کی ضرورت ہوگئی ۔اسی طرح کھیتی باڑی کا شعبہ اگر صحیح معنیٰ میں نہیں ہوگا تو پھر سب لوگ سکون کے ساتھ کیسے کھانے پینے کا انتظام کر سکیں گے، زندگی کی گاڑی چلنے کے لئے غذا کی شکل میں اندر پٹرول جائے گا تو دین و دنیا کے کام کر سکیں گے، پڑھنے پڑھانے کا کام چلے گا، ورنہ تو کیسے پڑھیں پڑھائیں گے اور کیسے دوسرے کام کریں گے۔کھیتی باڑی کے کام میں جفاکشی اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں میں آج کل جفاکشی کم یا ختم ہوتی جارہی ہے اور عیاشی بڑھتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے کھیتی باڑی اور زراعت کا آبائی پیشہ رکھنے والی موجودہ اور آنے والی نسل اس شعبے کو چھوڑ کر دوسرے ایسے شعبوں میں لگ رہی ہے جن میں عیاشی کا عنصر زیادہ ہے اور جفاکشی نہیں ہے، بلکہ وہ شعبے زراعت کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ اتنے اہم نہیں ہیں بلکہ بہت سے شعبے تو فضولیات اور لغویات پر مشتمل ہیں، اور اسی وجہ سے ہمارے یہاں فصل کی پیداوار ہر سال کم ہوتی جارہی ہے، ہر سال دوسرے ممالک سے اپنی ضرورت کے لئے خوراک اور غذائیں مہنگے داموں میں حاصل کی جاتی ہیں، جبکہ تھوڑی سی جفاکشی کر کے ہمارے ملک میں یہ ضرورت کی چیزیں بہت سستے داموں حاصل کی جاسکتی ہیں۔بہر حال زراعت اور دوسری ضرورت کی یہ ساری چیزیں ایک مطلوبہ مقدار کے ساتھ انجام دینا ضروری ہیں اور نظام کا حصہ ہیں، نظم اور تقسیمِ عمل کے ساتھ سارے کام ہونے چاہئیں۔ جو قومیں دنیا میں نظام اور تقسیمِ عمل کے ساتھ چلتی ہیں، وہ ترقی کرتی ہیں، ترقی یافتہ اور مہذّب قومیں سب اس پر متفق ہیں کہ تقسیمِ عمل ہونا چاہئے۔سارے ایک ہی طرف نہ لگیں

(جاری ہے.........)

Idara Ghufran

مقالات ومضامین

عبدالواحد قیصرانی

تقلید کا ثبوت

محترم قارئین! گذشتہ چند ایک قسطوں میں ہمارے سامنے تقلید کا مطلب، حقیقت اور اس کا مختصر سا پسِ منظر آچکا ہے، جس کا حاصل اور لب لباب یہ تھا کہ تقلید خواہ شخصی ہو یا تقلیدِ مطلق اس کی حقیقت و اصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ جو شخص خود مجتہد نہیں اور نہ ہی مرتبہ اجتہاد تک پہنچا ہوا ہے کہ از خود براہِ راست قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا تو ایسا غیر مجتہد شخص غیر منصوص مسائل میں اپنے زیادہ علم اور تقویٰ کے حامل جس مجتہد پر اسے اعتماد ہو اور جسے یہ ثقہ و معتبر سمجھتا ہو اس کے قول اور فتویٰ پر عمل کرلے، تقلیدِ مطلق کے بارے میں تو کسی ادنیٰ فہم وفراست رکھنے والے ذی شعور کو بھی کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا اور درحقیقت اس سے کسی انسان کو فرار ممکن بھی نہیں، کچھ اختلاف واشکال اگر کسی کو ہوسکتا ہے وہ تقلیدِ شخصی پر ہوسکتا ہے کہ آخر تمام مسائلِ دینیہ میں ایک ہی امام کی کیوں اتباع کی جاتی ہے اور یہ کہ تقلید بس چار طریقوں میں ہی کیوں منحصر ہے......؟ ان شبہات کے متعلق ضمناً اگرچہ پہلے کچھ بیان ہو چکا ہے لیکن اس کو مزید تھوڑا سا واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اور اس سے بھی پہلے نفسِ تقلید پر قرآن وحدیث سے صراحتیں اور دلائل اور محدثین وفقہاء وغیرہ اہلِ علم کے بیانات اور اقوال پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ دلائل کی روشنی میں یہ سلسلہ ترتیب وار آگے چلے۔

تقلید قرآن کی روشنی میں

متعدد آیاتِ قرآنیہ سے تقلید کا واضح ثبوت ملتا ہے لیکن یہ ایک مختصر سا سلسلہ اور خود اپنی علمی بے بضاعتی اس کی متحمل نہیں کہ ان سب دلائل کو مفصلاً بیان کیا جائے، چونکہ یہاں پر تمام ادلہ کا استیعاب وانحصار مقصود نہیں، اس لئے چند مشہور دلیلوں پر ہی اکتفاء کیا جائے گا، کیونکہ مقصد محض یہ بیان کرنا ہے کہ تقلید قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہ ومحدثین وفقہاء سب سے ثابت ہے، تو یہ چند مختصر دلیلوں سے بھی ثابت ہوکر ایک غیر متعصب منصف کے لئے کافی ہوگا۔

﴿پہلی آیت﴾ ”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ

مِنكُمْ (سورة نساء آيت ۵۹) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور اپنے آپ میں سے ''اولوالامر کی اطاعت کرو''

اس آیتِ کریمہ میں حق سبحانہٗ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے (۱) اللہ کی اطاعت (۲) اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت (۳) اولوالامر کی اطاعت۔ پہلی دو چیزیں تو بالکل واضح ہیں اور ان میں امت میں سے کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں، اس لئے ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، البتہ تیسری بات کہ جس میں اولوالامر کی پیروی کا حکم ہے اسے کچھ سمجھنے کی ضرورت ہے، اولوالامر سے مراد لغت کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں کہ جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو اسی لئے حضرت ابنِ عباس، مجاھد اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم مفسرینِ قرآن نے اولی الامر کا مصداق علماء وفقہاء کو قرار دیا ہے، کہ وہ نبی علیہ السلام کے نائب ہیں اور نظامِ دین ان کے ہاتھ میں ہے، اور یہی قول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اور حضرت عطاء بن ابی رباح، عطاء بن السائب اور حضرت ابوالعالیہ رحمہم اللہ سمیت دیگر کئی مفسرین کا کہ اولوالامر سے مراد علماء ہیں، جبکہ بعض دیگر مفسرین نے کہ جن میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظامِ حکومت ہے، اور تفسیر ابنِ کثیر اور تفسیرِ مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے یعنی علماء کو بھی اور حکام و امرا کو بھی، کیونکہ ''نظامِ امر'' عملاً انہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے، پس آیتِ مذکورہ میں اولوالامر کی اطاعت سے مراد علماء اور حکّام دونوں کی اطاعت ہے، اس لئے اس آیتِ مبارکہ کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام و امراء کی اطاعت واجب ہے، یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کی اطاعت ہے، لیکن عموماً مسائلِ غیر منصوصہ ہونے کی بناء پر ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ احکام اگرچہ قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں، اس لئے اس اطاعت کو علیحدہ سے تیسرا نمبر قرار دیکر مستقل بیان کیا گیا، تو جس طرح منصوصاتِ قرآن میں قرآن کا اتباع اور منصوصاتِ رسول میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع لازم اور ضروری ہے، اسی طرح غیر منصوص فقہی امور میں فقہاء اور انتظامی معاملات میں حکام و امراء کی اتباع و پیروی (تقلید) ضروری ہے، اگرچہ یہاں پر علماء و حکام دونوں کا معنیٰ کرنا صحیح ہے، اور دونوں ہی صورتوں میں ہمارا مدعیٰ یعنی تقلید کا ثبوت واضح ہے، لیکن بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہاں پر اولوالامر سے علماء مجتہدین مراد لینا زیادہ بہتر اور راجح ہے، کیونکہ معاملاتِ دینیہ میں حکام خود مختار نہیں بلکہ وہ علماء

کے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں، جس کی بناء پر حضراتِ علماءِ کرام اور فقہاءِ عظام دنیاوی حکام کے بھی امیر اور حاکم ہوئے، چنانچہ صاحبِ تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''بے شک امراء وسلاطین کے اعمال علماء کے فتاویٰ پر موقوف ہیں اور علماء درحقیقت سلاطین کے بھی امیر ہیں تو لفظ اولوالامر کا ان پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے'' (تفسیر کبیر ج۳ص۳۴۴)

اور ابنِ قیم رحمہ اللہ نے بھی تقریباً یہی بات ذکر کی ہے کہ ''امراء کی اطاعت کا نتیجہ بھی بالآخر علماء ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ امراء بھی شرعی احکام میں علماء کے پابند ہیں'' (اعلام الموقعین ج۱ص۷)

حاصل یہ ہے کہ اس سے مراد خواہ علماء فقہاء ہوں یا حکام یا پھر دونوں ہوں ہمارا مقصد اور مدعیٰ ثابت ہے کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں یہ ان کی تقلید ہے۔

﴿دوسری آیت﴾ ''فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن (النحل ۴۳ الانبیاء ص۷) ترجمہ: اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اصولی درجہ کی ہدایت دی ہے کہ جو لوگ کسی علم و فن میں خود ماہر نہ ہو تو انہیں چاہئے کہ وہ اس علم وفن کے ماہر سے پوچھ کر عمل کیا کریں (اور اسی کا نام تقلید ہے) چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اس بات پر کہ جس چیز کا خود علم نہ ہو اس میں علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسائل فقہیۃ غیر منصوصہ میں عامی اور غیر مجتہد کو مجتہد کی طرف رجوع کر کے اس کی تقلید کرنا واجب ہے کہ جس کے تقلید ہونے میں کوئی شائبہ نہیں، یاد رہے کہ یہاں اہل الذکر سے مراد اہلِ علم ہی ہیں، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عمرو بن قیس کا قول نقل کیا ہے کہ آیتِ بالا میں اہل الذکر سے مراد اہل علم ہیں'' (الفقیہ والمتفقہ ج۲ص۶۸)

﴿تیسری آیت﴾ ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (لقمان) ترجمہ: جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں آپ ان کے راستے کی پیروی کریں''

اس آیتِ مقدسہ سے معلوم ہوا کہ جو بندگانِ خدا اپنے مالک وخالق کی طرف رجوع اور انابت کرتے ہیں تو ان لوگوں کی پیروی کرنا نہ یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے، کیونکہ ''اتبع'' صیغہ امر ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور اس آیت میں لفظ ''مَن'' عام ہے کہ جس کے مصداق میں مجتہدین بھی داخل ہیں اور سبیل سے مراد مذہب ہے، پس اس سے بھی تقلید ثابت ہوئی، کیونکہ تمام فقہاء ومحدثین کامل درجے کے

منیب الی اللہ تھے۔

﴿چوتھی آیت﴾ ''وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ. وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء آیت ۸۳) ترجمہ: اور جب ان (عوام الناس) کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ اس کی اشاعت کردیتے ہیں، اور اگر یہ اس معاملے کو رسول کی طرف یا اپنے ''اولوالامر'' کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو لوگ اس کے استنباط کے اہل ہیں وہ اس کی حقیقت کو خوب معلوم کرلیتے''

یہ آیت اگرچہ ایک خاص واقعہ (اورامن وخوف کے معاملے سے) تعلق رکھتی ہے لیکن اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ کا مسلمہ اصول اور قاعدہ ہے ''**العبرۃ بعموم اللفظ لالخصوص المورد**'' یعنی اعتبار آیت کے عمومی الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا جس کے لئے آیت نازل ہوئی ہے، لہٰذا اگرچہ اس آیت کا تعلق ایک خاص پسِ منظر سے ہے لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اس لئے مطلب اس آیتِ شریفہ کا یہ ہے کہ جو لوگ کسی معاملے میں تحقیق اور غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو انہیں اولوالامر اور اہلِ استنباط کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اسی کو اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے۔

مفسرِ قرآن علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں استخراج کرتے ہوئے جن امور کی نشاندہی کی ہے، اس میں ایک یہ بھی ہے کہ: اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عام آدمی پر واجب ہے کہ وہ پیش آنے والے مسائل واحکام کے بارے میں علما کی تقلید کرے (تفسیر کبیر ج۳ ص۲۷۲)

﴿پانچویں آیت﴾ ''وَقَالُوْا لَوْكُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ. (الملک آیت ۱۰) ترجمہ: اور کہیں گے (وہ لوگ) اگر ہم سن لیتے یا سمجھ لیتے تو (پھر) دوزخیوں میں سے نہ ہوتے''

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''بعض حضرات مفسرین کرام نے نسمع کو (عوام کے حق میں) تقلید پر اور نعقل کو (فقہاء ومجتہدین کے حق میں) تحقیق واجتہاد پر محمول کیا ہے (کیونکہ) یہ دونوں (ہی) نجات کے ذریعے ہیں (تفسیرِ عزیزی ص۱۳)

(بقیہ صفحہ ۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

بسلسلہ : نبیوں کے سچے قصے

مولانا محمد امجد حسین

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود (قسط ۱۴)

سورہ نمل کے بعد اس قوم کا اجمالی سا تذکرہ سورۃ عنکبوت (آیت ۳۸) میں ہوا ہے:

''وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ''

''اور عاد وثمود کو (بھی ہم نے پکڑا) اور ان کی تباہی و بربادی ان کے کھنڈر نما مکانوں سے تم پر واضح ہو چکی ہے اور شیطان نے ان کے اعمال (کفرو نافرمانی اور فساد) کو ان کی نظر میں آراستہ کر دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ دنیا کے کام میں بڑے عقل منداور ہوشیار تھے''

''مستبصرین'' کی وضاحت

مستبصرین کا ٹھیٹھ مفہوم رائج الوقت محاورے میں روشن خیال بنتا ہے (معارف القرآن میں ایک موقعہ پر اس لفظ کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے) حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ ہلاک شدہ قومیں باوجود اس کے کہ دنیا کے معاملات میں اور مادی دوڑ دھوپ اور ہنر وفن میں انتہائی زیرک، ہوشیار سمجھدار اور عقلمند اور باریک بین تھیں۔ مرنے سے پہلے کی زندگی کے تمام امور میں کامل العلم اور ماہر الفن تھیں، لیکن غبی اور احمق اگر تھیں تو انبیاء کی مبنی برعقل وبصیرت اور دلائل وبرہان سے پُر گفتگو اور دعوت کو سمجھنے میں تھیں، انبیاء کی بالکل واضح باتیں جو دین اور اس کی حقیقت اور توحید ورسالت کے مطالبات اور انسان کی حقیقت اور دنیا میں اس کی حیثیت سے متعلق تھیں وہ باتیں سمجھنے سے یہ دیوانوں اور مجنونوں کی طرح انجان بنے ہوئے تھے، لیکن کیا یہ صرف عاد وثمود کی حالت تھی؟ نہیں، قرآن تو ابدی حقائق بیان کرنے والی کتاب ہے، گذشتہ قوموں کے قصوں کی صورت میں آنے والی قوموں کو ایک آئینہ دکھاتی ہے کہ لو! دیکھ لو! اس آئینہ میں تمہارے سب خدوخال واضح ہیں، کامیابی وناکامی کے پیمانے اور ہر عمل، طرزِ عمل کا اچھا برا انجام سامنے ہے، اور ان سب سے جو اپنے لئے چاہو انتخاب کرلو۔ مستبصرین کے تناظر میں تاریخ آج اپنے آپ کو پھر دہرا رہی ہے۔

آج پھر روشن خیالی کی اصطلاحات نے بہت زور پکڑا ہے، مسلمانوں میں ایک تجدد پسند طبقہ اور نام نہاد

دانش ور جن کے دل وھن [۱] کے مریض ہیں اور طاغوت پرستی جن کی گھٹی میں پڑی ہے، باطل کے غلبے کی وجہ سے پوری دنیا میں امتِ مسلمہ پر بالعموم اس طبقہ کا تسلط ہے، عالمی سامراج اور شر کی قوتیں اس طبقہ کو شطرنج کے مہروں کی طرح یکے بعد دیگرے میدان میں اتارتی ہیں، مسلمان ملکوں کی حکومتوں، منصوبہ ساز اداروں، عسکری، اقتصادی، تعلیمی اور ثقافتی مرکزوں اور اداروں پر طویل منصوبہ بندی اور ہمہ جہتی سازشوں کے ذریعے یہ طبقہ پورے طور پر حاوی اور مسلط ہے، ان میں سے جو ارباب اختیار اور مسلمان ملکوں کی حکومتوں پر براجمان ہیں سامراج کی طرف سے گویا ان کا فرضِ منصبی ہی یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو کسی میدان میں پنپنے اور سر اٹھانے کا موقع نہ دیں، اور مسلمانوں میں سے کوئی فرد یا جماعت دین کے احیاء اور ظلم کے دفیعہ اور طاغوت کی غلامی سے چھٹکارے کے لئے ذرا بھی آواز بلند کرے یا کوئی عملی تگ ودو اور کوشش کرے تو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انکو بے دست وپا کرنا یا طاغوت کے حوالے کر کے ان کو نمونہ عبرت بنانا ان کا بنیادی فریضہ ہے، اور جو اس طبقہ کے دانش فروش ہیں ان کا کام دین اسلام کے واضح احکام میں کتر بیونت کرنا، قرآن وحدیث کے نصوص اور ان کے موقعوں میں تحریف وترمیم کرنا، اور مسلمانوں کے ایک ایک فرد کی زندگی اور اس کے دل ودماغ سے خالص دین کا نقش ونشان کھرچ کھرچ کر مٹانا ان کے علم ودانش کی معراج ہے، اس طبقہ کے ہاتھوں امت کے مصائب اور مسلمانوں کے مسائل میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے، روشن خیالی کا لیبل لگا کر دین کی بنیادیں ہلانا، اور شریعت کی ممنوعہ اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں کو اعتدال پسند اسلام کے نام پر پیش کرنا اور تقویٰ وطہارت اور ایمان کامل کے مطالبات اور تقاضوں کو بنیاد پرستی اور انتہاء پسندی کا نام دے کر جرم کی شکل میں پیش کرنا ان کی زندگی کا بڑا مشغلہ ہے طاغوت کی غیر مشروط اطاعت اور بندگی ان کا ایمان ہے، طاغوت کے تہذیبی وسیاسی مراکز ان کا قبلہ وکعبہ ہیں، ڈالر اور پونڈ کے عوض ہر رکیک سے رکیک اور ننگِ انسانیت کام کرنا ان کا پیشہ ہے، ایک چہرے پر کئی چہرے سجا کر مسلمان معاشرے میں نفاق کا بیج بونا ان کا روز مرہ کا معمول ہے، اور دوسری طرف امتِ مسلمہ کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے حال میں مست ہیں نہ فکر کرتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دین سے دوری والی زندگی کی روش بدلتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو جو برے حالات کا سامنا ہے اور ان کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں اس کا شعور رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی امت کو احساس

---

[۱] وھن کا معنیٰ اس حدیث میں جس میں اس کا ذکر ہوا ہے ''حب الدنیا وکراھیة الموت'' بیان فرمایا ہے۔

زیاں عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف پلٹنے کی توفیق عطا فرمائے، والی اللہ المشتکیٰ، ولا ملجا ولا منجا من اللہ الا الیہ۔

اس کے بعد قومِ ثمود کا ذکر سورہ حٰم السجدہ (آیت ۱۲ سے آگے) میں آیا ہے، آیاتِ بینات ملاحظہ ہوں:

''فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ(۱۳) اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ م بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ. قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ(۱۴) (اگلی دو آیتوں میں قومِ عاد کا ذکر فرما کر پھر تیسری آیت میں قومِ ثمود کا ذکر یوں ہوتا ہے) وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ(۱۷) وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ(۱۸)''

ترجمہ: ''پھر اگر یہ لوگ (حضور ﷺ کے مخاطب کفار) اعراض کریں (حق بات کو ٹلا کر سنی ان سنی کر دیں) تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت و عذاب سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آفت آئی تھی (اور عاد و ثمود کا واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب ان کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے (اور ان سے یہ کہا) کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو یہ منظور ہوتا (کہ کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے) تو فرشتوں کو بھیجتا اسلئے ہم اس سے منکر ہیں جس کو دیکر تمہیں بھیجا گیا ہے (آگے قومِ عاد کا ذکر کر کے اس کے بعد قومِ ثمود کا ذکر ہے) اور وہ جو ثمود تھے تو (ان کا معاملہ یہ ہوا کہ) ہم نے ان کو (پیغمبر کے ذریعہ) راستہ بتلایا، پس انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کیا تو ان کو پوری ذلت ورسوائی کے عذاب کی آفت نے پکڑ لیا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے۔ اور ہم نے (اس عذاب سے) ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے''

''صاعقہ'' کی وضاحت

''صاعقہ'' بجلی کی کڑک ہے، راغب اصفہانی نے اس کے معنیٰ سخت گڑگڑاہٹ کے کئے ہیں (مفردات) اہلِ لغت نے صائقہ کے تین مرادی معنیٰ لکھے ہیں:

(۱) موت (۲) عذاب (۳) آگ

اور تینوں معنوں میں قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

(۱) فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰاتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ

قیامت کا منظر بیان ہو رہا ہے کہ موت کی بے ہوشی آسمان و زمین کی ہر چیز پر طاری ہوگی۔

(۲) فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (حم السجدة)

(یہ زیرِ بحث آیات میں سے ایک ہے، ترجمہ پیچھے ملاحظہ ہو)

(۳) وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ (الرعد آیت ۱۳)

اور بھیجتا ہے آگ پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور مراد اس سے آسمانی بجلی ہے۔

غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آسمانی بجلی میں اس لفظ کے یہ سب مفہوم و مراد جمع ہیں، کیونکہ سخت گڑگڑاہٹ بھی اس میں ہونا ظاہر ہے (جیسا کہ امام راغب نے فرمایا) اور آگ بھی اس میں ہوتی ہے، جس چیز پر بجلی گرتی ہے اس کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے، عام دینوی آگ اس کے سامنے کیا پہنچتی ہے، اور یہی بجلی بعض قوموں اور افراد کے لئے عذاب اور موت بن کر بھی آتی ہے جیسا کہ زیرِ بحث آیات میں قومِ ثمود کے لئے عذاب کے طور پر صائقہ کا ذکر ہے "فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ"

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اس موقعہ پر [1] (یعنی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ کے ذیل میں) بجلی کی حرارت اور توانائی کی بحث کی ہے اور قدیم فلسفہ اور جدید سائنس کی حرارت و توانائی کے متعلق نظریات اور تجربات و انکشافات کا حوالہ دیا ہے۔

علامہ آلوسی کی اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ "صاعقہ" سے مراد آسمانی بجلی ہے جبکہ دوسری تفسیر یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ اس سے دوسری آیات کی روشنی میں ہولناک چیخ مراد ہے، اور اصلاً دونوں میں تعارض

---

[1] روح المعانی کی عبارت یہ ہے "والمراد بالصاعقة النار الخارجة من السحاب كما هو المعروف، وسبب حدوثها العادى مشهور فى كتب الفلسفة القديمة قدتكلم فى ذالک اهل الفلسفة الجديدة المتداولة اليوم فى بلاد الروم وماقرب منها (اى اهل اوربا) فقالوا فى كيفية انفجار الصائقه من المعلوم ان انطلاق الكهربائية التى فى السحاب وهو قوة مخصوصة فى الاجسام نحوقوة الكهرباء التى بهاتجذب التبنة ونحوها اليها انما يحصل باتحاد كهربائية الاجسام الارضية وتتفاوت قوة الصاعقة باختلاف الاستحا لة البخارية فليست فى جميع البلاد والفصول واحدة واوضحواذالک بكلام طويل من اراده فليرجع اليه فى كتبهم وقيل المراد بالصاعقة هنا الصيحة كما وردفى آيات آخرولامانع من الجمع بينهما" (روح المعانى ج۱۳ ص ۱۱۴)

نہیں، بلکہ دونوں جمع ہوسکتی ہیں کہ آسمانی بجلی گری ہو اور اس میں سخت آواز بھی ہو، پھر آسمانی بجلی کی حقیقت کیا ہے؟ علامہ موصوف نے اختصاراً فلسفہ جدید کی رو سے اس کی حقیقت واضح کی ہے، علامہ آلوسی انیسویں صدی کے بزرگ ہیں جب مغربی فلسفہ اور جدید سائنس ارتقاء کے مرحلے سے گذر رہا تھا اور بہت سی تحقیقات ابھی ابتدائی درجے میں تھیں، تکمیل کے مقام تک نہ پہنچی تھیں، پھر حرارت اور توانائی کے متعلق تحقیقات جیسے جیسے آگے بڑھتی گئیں تو کائنات کے بہت سے سربستہ راز مختلف زاویوں سے کھلتے گئے اور سامنے آتے گئے اس تحقیق کے عمل میں عناصر سے گذر کر ان کے بنیادی جزء ایٹم کو بھی تحقیق و تجربہ کی سان پر چڑھایا گیا تو وہی ایٹم جو بظاہر جمادات و معدنیات کی بنیادی اکائی نظر آرہی تھی اس کے اندر پورا ایک جہاں آباد نظر آیا، قدیم فلسفیوں کے ہاں جزء یتجزی اور جزلا یتجزی کے عنوان سے یہ بحثیں اور اس پر لمبی چوڑی تحقیقات ملتی ہیں لیکن ان میں سے بہت سی باتیں زیادہ تر مفروضوں پر مبنی ہیں، انہی قدیم اصولوں کو بنیاد بنا کر جب فلسفہ جدید نے اس ایٹم (جزءلایتجزی یا ذرہ) پر تجربات کئے تو پتہ چلا کہ بظاہر یہ ننھا سا ذرہ اپنے اندر الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران پر مشتمل پورا ایک متحرک اور مربوط نظام رکھتا ہے، جو مختلف حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، پروٹان مثبت چارج کرتا ہے، الیکٹران منفی چارج کرتا ہے اور نیوٹران پر کوئی چارج نہیں ہوتا۔ ایٹم کا مرکز (Nucleus) جو پروٹان پر مشتمل ہوتا ہے اس کے اردگرد منفی چارج کے حامل الیکٹران مختلف مداروں میں گردش کرتے ہیں، گویا کہ ہر ہر ذرہ کے اندر ہمارے اس نظام شمسی کی طرح پورا ایک نظامِ شمسی ہوتا ہے اور ہر ذرہ کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے، پھر ایک عنصر کے ایٹم دوسرے عنصر کے ایٹم سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ فرق ایٹموں کے مرکزے میں پروٹان کی تعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً یورینیم کا ایٹم ہائیڈروجن کے ایٹم سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ یورینیم کے ایٹم میں 92 پروٹان اور ہائیڈروجن کے ایٹم میں ایک پروٹان ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں ایک فرانسیسی ماہرِ طبیعات نے اتفاقیہ طور پر جب تابکاری کا مظہر دریافت کیا اور بعد کی تحقیقات سے پھر مزید تابکار عناصر یعنی ان عناصر کے ایٹموں کا تابکار ہونا ثابت ہوا، تو سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا پھر سائنٹیفک طریقے سے ایٹم کو تعمیری اور تخریبی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی ایک دوڑ شروع ہوگئی اور بدقسمتی سے دنیا پر مغربی تسلط تھا اور مغربی قومیں مختلف نظریات اور تحریکات کے اتار چڑھاؤ سے گذر رہی تھیں، ایک عام معاشی بے چینی ہر طرف چھائی ہوئی تھی (بقیہ صفحہ ۷۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

انیس احمد حنیف

صحابیٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ (قسط ۲)

اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کو ان کا انصاری بھائی بنادیا یہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ وہی صحابی ہیں جنہیں بعد میں خلیفۂ دوم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یمامہ کا والی بنایا تھا...... اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا تھا انہی کے بارے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کے نام انبیاء کے ناموں پر رکھتے تھے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، ، موسیٰ، یوسف رکھے تھے۔ ہجرت کے دوسرے سال جب حق و باطل کا پہلا عظیم معرکہ غزوۂ بدر پیش آیا تو آپ رضی اللہ عنہ اس میں پیش پیش تھے اس دلیری و بہادری سے مقابلہ فرماتے کہ جس طرف کو ہوتے دشمن کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیتے...... ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مقابلہ کے لئے آواز لگائی کہ کون میرے مقابلہ کے لئے آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کیا تم اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ چاہتے ہیں تو (میں تیار ہوں) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اوپر کو اچکنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اے صفیہ کے بیٹے کھڑے ہو جاؤ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے دونوں مقابل ایک دوسرے پر جھپٹے پھر ایک نے دوسرے کی گردن پکڑلی اور ایک دوسرے کو ٹیلے سے نیچے گرانے کی کوششیں کرنے لگے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان دونوں میں سے جو بھی گڑھے میں پہلے گرے گا وہی مارا جائے گا آپ ﷺ نے بھی اور مسلمانوں نے بھی دعا فرمائی چنانچہ وہ کافر ہی گڑھے میں پہلے گرا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اُس کی چھاتی پر سوار ہوئے اور اُسے قتل کر دیا...... اسی غزوہ میں قریش کے نامی گرامی بہادر جنگجو عبیدہ بن سعید بن عاص سے مقابلہ ہوا جس نے اپنے پورے جسم پر سر سے پاؤں تک زرہ پہنی ہوئی تھی صرف دونوں آنکھیں کھلی تھیں کہ اُن پر زرہ نہیں تھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اُس کی آنکھ کا نشانہ لیا اور اس زور سے اُس کی آنکھ میں نیزہ مارا کہ وہ

پار نکل گیا اور اسی حملہ سے وہ واصلِ جہنم ہوا اُس کی ہلاکت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے وہ نیزہ باہر نکالا یہاں تک کہ نیزہ باہر تو نکل آیا لیکن اس کوشش میں اُس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نیزہ بطورِ یادگار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے لے لیا اور اسے اپنے پاس رکھا، کہ یہ ایک دشمنِ خدا کی ہلاکت اور ایک فدائی کے اخلاص و جانثاری کی یادگار تھی، وصال تک یہ نیزہ آپ ﷺ کے پاس رہا اور وصال کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور اپنے پاس رکھا ان کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا جن کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے واپس مانگ لیا، لیکن خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس یادگار کو جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ساری عمر اپنے ساتھ رکھا پھر خلیفۂ اول اور دوم نے اپنے پاس رکھا کیسے اپنے سے دور رہنے دیتے انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے وہ نیزہ مانگ کر لے لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی آل کے پاس پہنچا، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے مانگ لیا اور تا حیات اپنے پاس رکھا یعنی ان کی شہادت تک وہ ان کے پاس رہا...... اس غزوہ میں آپ اس بے جگری سے لڑے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار میں دندانے پڑ گئے اور تمام جسم زخموں سے چور ہو گیا خصوصاً ایک زخم تو ایسا گہرا تھا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہم اس زخم میں پڑے ہوئے گڑھے میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور قبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں آپ رضی اللہ عنہ زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے لشکر کی مدد کے لئے آسمان سے اُترنے والے ملائکہ بھی اسی وضع میں آئے جس میں آپ رضی اللہ عنہ تھے یعنی اُن کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے ...... اس غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ نیکی میں آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے کا جذبہ ایک اچھے وفادار کی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں بھی بے انتہا موجود تھا غزوۂ اُحد میں جنگ کے دوران نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا کہ کون اس کا حق ادا کرے گا تمام جاں نثاروں نے بے تابی سے اپنے ہاتھ پھیلائے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا لیکن یہ شرف حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا جنہوں نے واقعی اس تلوار کا حق ادا کیا اور نبی کریم ﷺ نے اُن کی شجاعت کی داد دی بعد میں یہ حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ

عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے ...... غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو چودہ صحابۂ کرام جانثاری کی داستان رقم کر رہے تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں شامل تھے۔ طلحہ بن ابی طلحہ عبدری اُحد کے دن مشرکین کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے تھا اُس نے اپنے مقابلہ کے لئے آواز لگائی، لوگ اُس سے رُک رہے تھے، اس کے لئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نکلے آپ رضی اللہ عنہ نے ایک جست لگائی اور اُس کے ساتھ اُس کے اونٹ پر سوار ہو گئے ساتھ ہی اُسے زمین کی طرف دھکیلا اور اونٹ سے گرا دیا اور اپنی تلوار سے اُس دشمنِ خدا کو ذبح کر دیا، نبی کریم ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک حواری (جاں نثار) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر زبیر اس کے مقابلہ کے لئے نہ نکلتے تو میں خود نکلتا کیونکہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اُس سے ہیبت زدہ ہو گئے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خود اس غزوہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب غزوہ اُحد ہوا ایک عورت بڑی تیزی سے لپکی قریب تھا کہ وہ شہدا کو دیکھ لے نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورت عورت (یعنی اسے روکو) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو وہ میری ماں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں میں لپک کر تیزی سے اُن کی طرف چلا اور اس سے پہلے کہ وہ شہدا تک پہنچیں میں نے انہیں تھام لیا انہوں نے مجھے ایک دھکّا دیا اور فرمایا پرے ہٹ، وہ بڑی قوی عورت تھیں، میں نے کہا نبی کریم ﷺ نے قصداً آپ کو روکا ہے، پس وہ ٹھہر گئیں اس کے بعد اُن کے پاس دو کپڑے تھے انہیں نکالا اور فرمایا کہ یہ دو کپڑے ہیں جنہیں میں اپنے بھائی حمزہ کے لئے لائی ہوں مجھے اُن کی شہادت کی خبر مل چکی ہے تم لوگ ان کپڑوں میں انہیں کفن دینا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان دونوں کپڑوں کو لے آیا تا کہ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن دیا جائے، لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کے برابر ایک اور انصاری شہید ہیں اور اُن کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا، ہم نے اپنے دل میں اس بات سے کدورت محسوس کی کہ (میرے ماموں) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری بھائی کے پاس کوئی بھی کپڑا نہ ہو، لہٰذا ہم سب نے ایک کپڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک ان انصاری کو، اس کے بعد ہم نے ان دونوں کپڑوں کو ناپا تو ایک چھوٹا تھا اور ایک بڑا، پھر ہم نے ان دونوں کے کئے قرعہ اندازی کی اور جو کپڑا جن کے لئے قرعہ میں نکلا انہیں اس میں کفن دیا گیا ...... سبحان اللہ، یہ واقعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مساوات پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (جاری ہے..........)

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ مفتی منظور احمد صاحب (فیصل آباد)

آدابِ تجارت (قسط ۱۴)

(۲۷)......بابرکت تجارت

شرعی اصول احکام اور آداب کا خیال رکھتے ہوئے جو بھی تجارت کی جائے وہ ان شاء اللہ باعثِ برکت ہوگی، مگر تجارت کی دیگر اقسام کی بنسبت شرکت میں زیادہ برکت ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خود شرکت کی ہے چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے شرکت کا معاملہ کیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ:

''حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ زمانہ جاہلیت میں میرے شریک تھے، آپ بہترین شریک تھے آپ نہ مجھ سے دھوکہ کرتے تھے اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا''

(سنن ابن ماجہ، باب الشرکۃ والمضاربۃ ص ۱۶۵، ناشر قدیمی کتب خانہ)

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

حضرت سائب مخزومی بعثت سے پہلے حضور ﷺ کے شریک رہے تھے وہ فتح مکہ کے دن آئے تو کہا خوش آمدید ہو میرے پاس اور میرے شریک کو، آپ نہ دھوکہ کرتے تھے اور نہ لڑائی جھگڑا کرتے تھے (سنن بیہقی، کتاب الشرکۃ، ج ۱ ص ۷۸، دائرۃ المعارف العثمانیۃ)

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شرکت کے معاملہ کو بابرکت قرار دیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ثلاث فیھن البرکۃ البیع الی اجل والمضاربۃ واختلاط البر بالشعیر لبیت لالبیع''(سنن ابن ماجہ باب الشرکۃ والمضاربۃ ص ۱۶۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

''تین چیزوں میں برکت ہے ادھار قیمت کے ساتھ (ضرورت مندوں کو) بیچنا (شرکت) مفاوضہ کرنا اور گندم کو جو میں ملانا گھر (میں کھانے) کے لئے نہ کہ فروخت کرنے کے لئے''

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تفاوضوا فانہ اعظم للبرکۃ'' (بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، ج ۶ ص ۵۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

''(شرکت) مفاوضہ کرو کیونکہ یہ بہت زیادہ برکت والی چیز ہے''

ایک جگہ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں دوشریک ساتھیوں کا تیسرا شریک ہوں جب تک ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے جب وہ خیانت کرے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں'' (سنن ابی داؤد، باب فی الشرکۃ، ج۲ص۱۲۴، مکتبہ امدادیہ ملتان)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شریکین کے مال میں اس وقت تک برکت دیتے ہیں اور ان کے مال کی حفاظت اور ان کی مدد واعانت جاری رکھتے ہیں جب تک ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے جب کوئی خیانت کرتا ہے تو برکت اور مدد اٹھالیتے ہیں، چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت تک دوشریکوں کے ساتھ رہتی ہے جب تک وہ خیانت نہ کریں اگر وہ خیانت کریں تو ان کی تجارت مٹادی جائے گی اور اس سے برکت اٹھالی جائے گی'' (نیل الاوطار، کتاب الشرکۃ والمضاربۃ ج۵ص۲۷۹، مکتبہ انصار السنۃ المحمدیہ لاہور)

حضرت زہرہ بن معبد تابعی کی روایت ہے کہ:

''میرے دادا عبداللہ بن ہشام ان کے بچپن ہی میں ان کی والدہ زینب بنت حمیر رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بچہ ہے، آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لئے دعا فرمائی، زہرہ فرماتے ہیں کہ (میرے دادا جب کاروبار کرنے لگے) تو وہ مجھے ساتھ بازار لے جاتے وہ تجارت کے لئے غلہ خریدتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر ان سے ملتے اور کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے برکت کی دعا فرمائی ہے، میرے دادا انہیں شریک کرلیا کرتے تھے بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ غلے سے لدا ہوا پورا اونٹ نفع میں بچ جاتا اور اس میں وہ اپنے گھر بھیج دیتے (صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام، ج۱ص۳۴۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲۸)......جعلی نوٹوں اور سکوں کا کاروبار

آج کل ہمارے معاشرے میں جعلی کرنسی کا کاروبار بھی بہت عام ہے بہت سے لوگ جعلی کرنسی چھاپ کر

ملک میں پھیلا دیتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معلوم ہوتے ہوئے جعلی کرنسی نوٹ اصلی نوٹوں کے ساتھ ملا کر یا کسی اور حیلے بہانے سے چلاتے ہیں، یہ کاروبار کئی خرابیوں کی بنا پر ناجائز اور تجارت ورزق میں بے برکتی اور نحوست کا سبب ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ایسے نوٹ چھاپنا اور چلانا قانوناً منع ہے اور حکومت کے جائز قانون کی پابندی شرعاً واجب اور اس کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے، اس کے علاوہ امام غزالی رحمہ اللہ نے اس میں بہت سی خرابیاں ذکر کی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ جعلی کرنسی جس کو دی جارہی ہے اگر اسے علم نہیں تو یہ دھوکہ اور ظلم ہے جو کہ صریح حرام ہے، اور اگر اسے بھی علم ہے تو وہ اسے آگے چلائے گا تو اس سے لوگوں کا انفرادی نقصان بھی ہے کہ کئی لوگ دھوکے اور ظلم و زیادتی کا شکار ہونگے اور ان کا قومی و اجتماعی نقصان بھی ہے کیونکہ اس سے ملک میں افراطِ زر کا مسئلہ پیدا ہوگا جو ملکی معیشت کے لئے انتہائی خطرناک ہے اور اس کا سارا وبال اور گناہ کرنسی چلانے والے کو ملے گا کیونکہ اس نے اس کی بنیاد ڈالی اور یہ وبال ایسا ہے جو اس کی زندگی میں بھی جاری رہے گا اور موت کے بعد بھی، اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ایک کھوٹے درہم کا خرچ کرنا سو درہم کی چوری سے بدتر ہے، اس لئے جعلی کرنسی کے بارے میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱)...... یہ کہ کرنسی جس کے ہاتھ لگے اسے ضائع کردے اور کسی کو یہ کہہ کر بھی نہ دے کہ یہ نقلی ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ دھوکہ بازی سے اسے آگے خرچ کرڈالے **(۲)**...... تاجر کے لئے ضروری ہے کہ اصلی اور نقلی کرنسی کی پہچان رکھے تاکہ خود بھی دھوکے اور فریب سے بچے اور دوسروں کو بھی دھوکہ دینے اور ان کا حق ضائع کرنے سے بچائے **(۳)**...... کسی کو جعلی کرنسی اور نقلی سکے اسے بتا کر اس کی رضامندی سے بھی نہ دے کیونکہ اس کی رضامندی اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسے آگے چلانے کے لئے لے رہا ہے یا ہوسکتا ہے کہ وہ اسے آگے چلائے جس کی وجہ سے دینے والا گناہ گار ہوگا **(۴)**...... اگر کسی کو دھوکہ سے جعلی کرنسی مل جائے اور وہ اسے دینا چاہیے، تو اس نیت سے لے لے کہ یہ نقصان سے بچ جائے اور یہ مزید آگے نہ چل سکے بلکہ اسے ضائع کردیا جائے تو یہ مستحقِ اجر و ثواب ہوگا لیکن آگے چلانے کی نیت سے لینا ہرگز جائز نہیں۔

(۲۹)......سرمائے کی برکت وحفاظت کا زریں اصول

بہت سے تاجروں کے پاس سرمایہ ہوتا ہے مگر اول وہ محفوظ نہیں ہوتا آئے روز چوریوں اور ڈکیتیوں کا خطرہ

رہتا ہے، اگر محفوظ ہو بھی تو اس میں حلال طریقے سے اضافے کا امکان نہیں ہوتا، حضور ﷺ نے اس کے لئے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ ایسے سرمائے کے ذریعے کوئی ایسی چیز خرید لی جائے جس کے چوری یا ضائع ہونے کا امکان کم سے کم ہو اور قیمت کے بڑھنے کا امکان زیادہ ہو، اس سے ایک تو سرمایہ محفوظ رہے گا جلدی خرچ نہیں ہوگا، چوری وغیرہ سے حفاظت رہے گی اور ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہوگا، مثلاً زمین یا جائیداد کی خریداری، چنانچہ حضرت سعید بن حریث فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص گھر یا جائیداد فروخت کرے اور اس کی قیمت کو اسی جیسی چیز میں نہ لگائے تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں برکت نہ ہو''

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفعۃ، فصل ثانی، ج ا ص ۲۵۶، اشاعۃ المعارف ملتان)

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کوئی گھر یا زمین فروخت کرے اور اس کی قیمت اسی جیسے گھر یا جائیداد میں نہ لگائے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی'' (کنز العمال ج ۳ ص ۵۰، حدیث نمبر ۵۴۴۰، مؤسسۃ الرسالہ)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ اول تو جائیداد کو حتی الامکان فروخت کرنے سے احتراز کیا جائے، کیونکہ جائیداد کو خریدنا مشکل مسئلہ ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے مکان یا جائیداد کو بیچنا پڑ جائے تو اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا جائیداد خرید لی جائے، اس میں کئی فوائد ہیں ایک یہ کہ قیمت کے چوری ہونے یا گم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے جبکہ جائیداد میں یہ خطرہ نہیں ہوتا، دوسرا یہ کہ رقم میں کسی حادثہ میں ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن جائیداد میں اس کا احتمال تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے، اور تیسرا یہ کہ رقم کے خرچ ہو کر ختم ہو جانے کا امکان ہوتا ہے، مگر جائیداد میں ایسا نہیں ہوتا اور چوتھا یہ کہ جائیداد آئندہ نسلوں کے کام آتی ہے حضور ﷺ نے یہ مشورہ اور مشفقانہ ہدایت ایسے وقت میں ارشاد فرمائی تھی جبکہ زمین کی اتنی اہمیت نہیں تھی، لیکن آج کے دور میں جبکہ زمین سے زیادہ اہمیت شاید کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں حتیٰ کہ اس کی قدر سونے سے بھی بڑھ کر ہے، چنانچہ اس دور میں جتنا زیادہ اور تیزی سے زمین کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے اور کسی چیز کی قیمت میں نہیں ہوتا ہے، آپ کی اس ہدایت کی افادیت بہت زیادہ ہو چکی ہے، لہٰذا آج کے دور میں زمین جہاں سرمائے کی حفاظت کا ذریعہ ہے اس سے کہیں بڑھ کر سرمائے میں برکت اور اضافے کا باعث ہے۔

(جاری ہے..........)

بسلسلہ: سہل اور قیمتی نیکیاں

مولوی محمد ناصر

رشتہ داروں سے صلہ رحمی کیجئے

ایک حدیثِ مبارکہ میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد اس طرح مروی ہے:

تَعَلَّمُوْامِنْ اَنْسَابِکُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَکُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مُنْسَأَةٌ فِی الْاَثَرِ (ترمذی، ابواب البر والصلة عن رسول الله، باب ماجاء فی تعلیم النسب)

"اپنے (خاندانی) نسبوں (یعنی رشتہ داروں) کو معلوم کرو جن (کے جاننے) سے تم اپنے عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو گے کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا ذریعہ بنتی ہے اور صلۂ رحمی مال بڑھنے کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے عمر زیادہ ہو جاتی ہے" (ترمذی، ابواب البر والصلة عن رسول الله، باب ماجاء فی تعلیم النسب)

اس حدیث مبارکہ میں حضورِ اقدس ﷺ نے پہلا حکم تو یہ فرمایا کہ اپنے خاندان کے افراد کے بارے میں یہ معلوم کرو کہ کون کون دور یا قریب کے واسطے سے تمہارا کیا لگتا ہے اور تمہاری اس سے باپ یا ماں کی طرف سے کیا رشتہ داری ہے؟ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ جب رشتہ داروں کے بارے میں یہ علم ہوگا کہ کون قریب کا رشتہ دار ہے اور کون دور کا تو اُن کے درجے کا خیال رکھتے ہوئے اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرنے میں آسانی ہوگی، اس لیے کہ اسلام میں قریب والے رشتہ دار کا حق عام حالات میں دور والے رشتہ دار سے زیادہ رکھا گیا ہے لہٰذا اگر حقوق کی ادائیگی کی نیت سے خاندان کے افراد سے اپنے ساتھ بننے والے رشتہ کا علم حاصل کیا جائے کہ کون میرا کیا لگتا ہے یا خاندان کے افراد کا شجرۂ نسب بنا لیا جائے، جس سے اگلے اور پچھلے رشتوں کے پہچاننے میں مدد ملتی ہے، تو یہ عبادت اور باعثِ ثواب ہے۔

پھر اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی امت کو صلہ رحمی کے تین فوائد بتلائے:

ایک فائدہ یہ بتلایا گیا کہ اس سے کنبہ اور خاندان میں محبت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جب رشتہ داروں میں آپس میں ہمدردی، محبت اور خیر خواہی کا جذبہ ہوگا اور خاندان کا ہر فرد دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کرے

گا تو پورا خاندان حسد اور کینہ سے پاک ہوجائے گا اور خاندان کے سب لوگ راحت اور سکون کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔

دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ صلہ رحمی کی وجہ سے مال اور رزق میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتے ہیں اور صلہ رحمی مال میں اضافے کا ذریعہ بنتی ہے۔

اور تیسرا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ اس کی وجہ سے عمر بڑھتی ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر لمبی ہو اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کرے (بخاری ، کتاب البیوع،باب من احب البسط فی الرزق)

اس لیے رزق اور عمر میں اضافے کے لئے جہاں اور تدابیر اختیار کی جاتی ہیں وہاں شریعت کی بتلائی ہوئی صلہ رحمی کرنے کی تدبیر کو بھی اختیا کرنا چاہئے جس سے صرف عمر میں اضافہ اور رزق میں برکت ہی نہیں بلکہ دنیا اور آخرت کے اور کئی فوائد کا حاصل ہونا یقینی ہے اس لیے کہ صلہ رحمی جیسے حقوق کی ادائیگی بھی کہا جا سکتا ہے دراصل سکون کا ذریعہ ہے، رشتہ داروں کے باہمی لڑائی اور جھگڑے ، نفرتیں اور عداوتیں ، مقدمہ بازیاں ، یہ سب دوسروں کی حق تلفی کا نتیجہ ہوتی ہیں، اگر ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کے حقوق مکمل اور صحیح طریقہ پر اخلاص کے ساتھ ادا کرے تو پھر کسی قسم کا جھگڑا اور کوئی لڑائی نہ ہو، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے:

"کُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَاناً"، یعنی "اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ" (مسلم ، کتاب البر والصلة والآداب،باب تحریم التحاسد،والتباغض والتدابر)

رشتہ داروں کے ساتھ بھائی چارگی اور ہمدردی میں اس طرح پائیداری اور مضبوطی پیدا ہوسکتی ہے جب اُن کے ساتھ ہمدردی میں اللہ کا حکم پورا کرنے کا جذبہ ہو، یعنی بھائی بھائی بننے میں اللہ کے حکم کا دھیان ہو اور اُلفت و محبت کی وجہ رسم و رواج یا عارضی فضا اور ماحول نہ ہو بلکہ اس کی وجہ یہ ہو کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور یہ بھی اللہ کا بندہ ہے اور آپس کی بھائی چارگی کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں جو بھائی بھائی بننے کا حکم دیا گیا ہے وہ سگے بھائیوں کو بھی ہے، تو جب سگے بھائیوں کو بھی آپس کی صلہ رحمی اللہ کا حکم سمجھ کر کرنی چاہیے تو دوسرے رشتہ داروں میں بھی آپس کی صلہ رحمی کا جذبہ اللہ کا حکم پورا کرنے کی وجہ سے

ہی ہونا چاہیے، یعنی پورا خاندان آپس کی صلہ رحمی اللہ کا حکم پورا کرنے کی وجہ سے کرے، اس کے نتیجے میں رشتہ داروں کے آپس کے چھوٹے موٹے جھگڑے اور رنجشیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

کونسا رشتہ دار صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی کا پہلے حق دار ہے اور کونسا اس کے بعد؟ اس کی تفصیل حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ:

’’وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ أُمَّکَ وَأَبَاکَ وَأُخْتَکَ وَأَخَاکَ ثُمَّ أَدْنَاکَ فَأَدْنَاکَ‘‘

(نسائی ،باب ایتهما الید العلیا)

’’اپنی ماں کے ساتھ اور اپنے باپ کے ساتھ اور اپنی بہن کے ساتھ اور اپنے بھائی کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو، ان کے بعد جو رشتہ دار زیادہ قریب تر ہوں ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو‘‘

اس حدیث پاک میں پہلے ماں، پھر باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم فرمانے کے بعد بہن اور پھر بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ ثُمَّ أَدْنَاکَ فَأَدْنَاکَ یعنی ان کے بعد دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان میں قریب تر پھر قریب تر کا دھیان کرو۔

مطلب یہ ہے کہ سب رشتے برابر نہیں ہوتے، کسی سے رشتہ قریب کا ہوتا ہے کسی سے دور کا اور قریبی رشتہ داروں میں بھی کوئی زیادہ قریبی ہوتا ہے اور کوئی کم قریب، اس لیے جو سب سے قریبی ہے وہ دور والے رشتہ دار کے مقابلے میں صلہ رحمی کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ فرق رشتہ داروں پر مال کے خرچ کرنے کے اعتبار سے ہے، سلام کرنے کے اعتبار سے نہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی سلام کلام چھوڑ کر تین دن سے زیادہ کسی بھی مسلمان سے بلاضرورتِ شرعی ناراض رہے تو گناہ ہے، تو جب قطع تعلق عام مسلمانوں سے بھی حرام ہوا تو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ایک حدیث میں صلہ رحمی کی اہمیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ (بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف و خدمته ایاه بنفسه)

یعنی جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے (بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف و خدمته ایاه بنفسه)

صلہ رحمی کا مطلب ہے کہ اپنی حسبِ استطاعت اور حسبِ حال اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

اور ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، اُن کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آئے، اُن کے دُکھ سُکھ میں شامل رہے، اُن کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو جائز طریقے پر اُن کی مدد کرے۔ اگرچہ دوسرے رشتہ دار زیادتی اور دل شکنی ہی کیوں نہ کررہے ہوں، اگر دوسرے رشتہ دار خود غرض ہوں تو صبر کرے، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین صلہ اور بدلہ عطا فرمائیں گے۔

صلہ رحمی تو ہوتی ہی وہ ہے جو بدلے اور رسم کے طور پر نہ کی جائے بلکہ اس کا مقصد اپنے رشتہ دار کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خوش کرنا ہونا چاہیے، اگر صرف بدلہ، دکھلاوا یا رسموں کی پابندی میں کوئی کام کیا جائے تو اس پر صلہ رحمی کی فضیلت حاصل ہونا مشکل ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں اُس صلہ رحمی کو ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ بتلایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور دوسری طرف سے اس کے بدلے کا انتظار بھی نہ ہو، اگر دوسری طرف سے اس کا اچھا جواب نہ ملے تب بھی صلہ رحمی کو چھوڑنا نہیں چاہیے کیونکہ یہی اس بات کی علامت ہے کہ صلہ رحمی اللہ کے لئے ہورہی ہے ورنہ تو کہا جائے گا کہ محض دکھاوے اور نام و نمود کے لئے ہورہی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِي وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَاقُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا"

(بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی، ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم)

یعنی "وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو دوسروں کا بدلہ اتار دے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار اس کی حق تلفی کریں تب بھی یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے"

اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَلصَّدَقَةُ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الْکَاشِحِ" (جامع صغیر حدیث نمبر ۱۲۶۳ بحوالہ بخاری فی الادب، ابو داود، ترمذی)

"یعنی افضل صدقہ وہ ہے جو بغض رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے" (جامع صغیر حدیث نمبر ۱۲۶۳ بحوالہ بخاری فی الادب، ابوداود، ترمذی)

جب رشتہ داروں کی طرف سے اچھا معاملہ نہ ہورہا ہو، اس وقت اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا درحقیقت صلہ رحمی کا کمال ہے اور اس پر بے حد اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔

Idara Ghufran

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں۔ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں مگر وہ میری حق تلفی کرتے ہیں، میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان سے بردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جھگڑتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اگر واقعی ایسا ہے تو گویا تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک مددگار رہے گا'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب،باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها)

یعنی وہ اپنے عمل سے دوزخ خرید رہے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف تمہاری مدد ہوگی۔

قطع رحمی کرنے والے رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے عظیم الشان ثواب تو ملتا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ قطع رحمی کرنے والے کی اصلاح کی بھی توقع ہے اور اگر قطع رحمی کے نتیجے میں قطع رحمی ہی کی جائے تو اس سے محبت اور ہمدردی کے بجائے نفرتوں اور عداوتوں کو ترقی ملتی ہے۔

ایک طرف تو صلہ رحمی کے عظیم الشان فضائل ہیں اور دوسری طرف قطع رحمی کا وبال حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا موجود ہو (جامع صغیر حدیث نمبر۱۹۹۷ بحواله بخاری فی الادب عن ابن ابی اوفیٰ)

جس طرح صلہ رحمی سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح قطع رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت روک لیتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف قطع رحمی کرنے والے سے بلکہ اس کی پوری قوم سے رحمت روک لی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص قطع رحمی کرتا ہے تو دوسرے لوگ اس کو صلہ رحمی کرنے پر تیار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات خود بھی اس کے جواب میں قطع رحمی کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

''**لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ**'' (ترمذی ،ابواب البر والصلة عن رسول الله ﷺ ،باب ماجاء فی صلة الرحم)

یعنی ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا''

معلوم ہوا کہ قطع رحمی کی سزا دنیا و آخرت دونوں میں بھگتنی پڑتی ہے، بہت سے خاندانوں میں برسہا برس گزر جاتے ہیں لیکن آپس کے تعلقات ٹھیک نہیں ہوتے، آپس میں قتل وخون تک ہو جاتے ہیں اور مقدمہ بازی تو روزانہ کا مشغلہ بن جاتا ہے، بھائی بھائی کچہری میں دشمن بنے کھڑے ہوتے ہیں، کہیں چچا بھتیجے دست وگریبان ہو رہے ہیں، کہیں بھائی بھائی میں نفاق ہے، ایک نے جائیداد دبالی ہے اور دوسرے نے زمین پر قبضہ کرلیا ہے، لڑ رہے ہیں مر رہے ہیں نہ سلام ہے نہ کلام، آمنا سامنا ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں بھلا ان چیزوں کا اسلام میں کہاں ٹھکانہ ہے؟ اگر صلہ رحمی کے اصول پر زندگی گذاریں تو خاندانوں کی آپس کی تمام لڑائیاں فوراً ختم ہو جائیں، جو لوگ قطع رحمی کرتے ہیں ان کی آنے والی نسلوں کو اپنے آباء واجداد کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی قطع رحمی کے نتائج برسہا برس تک دنیا ہی میں بھگتنے پڑتے ہیں (تحفۃ المسلمین ج ۲ ص ۱۴۰ و ۱۴۱ بتغیر)

بعض اوقات کسی رشتہ دار کے ساتھ طبعی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے ملنے جلنے اور ملاقات کرنے کی صورت میں کشیدگی اور نفرتیں بڑھنے کا ڈر ہوتا ہے، جھگڑے فساد پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں وقتی طور پر کچھ دنوں کے لئے اس رشتہ دار سے دوری اختیار کرنا جائز ہے لیکن دل میں بہر حال خیر خواہی کا جذبہ ضرور ہونا چاہیے اور دوسرے کی اصلاح کی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے، اگر آمنا سامنا ہو جائے تو کم از کم سلام کریں اور جب حالات سازگار ہو جائیں تو تعلقات بھی قائم کریں۔

اس لیے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی یہ اہم اور دنیا اور آخرت کے فوائد سے بھری ہوئی عبادت ضرور اختیار کرنی چاہیے اور اس سلسلہ میں ایک اہم بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے وہ یہ کہ بعض لوگ رشتہ داروں کی رعایت اس حد تک کرتے ہیں کہ ان کی رعایت کی وجہ سے گناہوں سے بھی نہیں بچتے اور اپنے اس عمل کو صلہ رحمی کا حصہ سمجھتے ہیں، مثلاً رشتہ داروں کو خوش کرنے کے لئے کسی گناہ میں شریک ہو جانا یا ان کی ناجائز سفارش کرنا یا تعصب کی وجہ سے ان کی بے جا حمایت کرنا یا انہیں ایسی ملازمت دلوانا جس کے وہ مستحق نہیں۔

یہ ایسی باتیں ہیں کہ شرعاً گناہ میں داخل ہیں نہ کہ صلح رحمی میں، لہٰذا صلہ رحمی کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ رشتہ داروں کی خاطر یا ان کی حمایت میں یا انہیں خوش کرنے کے لئے گناہوں کا ارتکاب کرنا جائز ہے، اس لئے اگر کوئی رشتہ دار کسی ناجائز کام میں شرکت کی دعوت دے تو اس سے نرمی کے ساتھ معذرت کر دینا ضروری ہے۔

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

موٹرسائیکل اور گاڑی وغیرہ چلانے کے آداب (قسط۱)

جیسا کہ کئی مرتبہ بتلایا جاچکا ہے کہ اسلام نے اصولی انداز میں ہر چیز کے آداب اور طور وطریقے بیان کردیئے ہیں، جن کی روشنی میں ہر نئی سے نئی چیز کے آداب معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

اس وقت ڈرائیونگ کے چند آداب ذکر کیے جاتے ہیں۔ڈرائیونگ سے مراد ہے ''کسی قسم کی گاڑی چلانا'' خواہ بڑی گاڑی ہو یا چھوٹی گاڑی، یا اسکوٹر، موٹرسائیکل وغیرہ۔

❁......موٹرسائیکل یا کسی بھی گاڑی کا میسر آجانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے ،اس سے انسان کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں، تھوڑے وقت میں لمبا سفر طے ہوجاتا ہے، اس لئے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر سلیقہ اور اصولوں کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔

❁......موٹرسائیکل اور گاڑی وغیرہ ایک ضرورت کی چیز ہے، اس کو ضرورت کی چیز سمجھ کر رکھنا اور استعمال کرنا چاہیے، نمود ونمائش اور فخر وتفاخر پیشِ نظر نہیں ہونا چاہیے۔

بعض بلکہ بہت سے لوگ معاشرہ میں اپنا نام روشن کرنے اور ناک اونچی کرنے کے لئے مہنگی ترین گاڑیاں حاصل کرنے کی خاطر حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر اپنے آپ کو گناہوں میں ڈالتے ہیں، اور کم قیمت والی گاڑی سے اپنی ضرورت پوری کرنے پر اکتفاء کرنے کے بجائے بازار میں آنے والی نئی سے نئی گاڑی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں، اور نمائش کو ضرورت تصور کرکے کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

❁......موٹرسائیکل اور گاڑی چلاتے وقت عاجزی اور مسکنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، ایسے وقت فطرتاً انسان میں کبر اور بڑائی پیدا ہوجاتی ہے، اور اس بیماری میں آج کل بہت زیادہ ابتلاء ہے، لہٰذا تکبر اور نمائش سے بچنا چاہیے، اور ایسا خیال آنے پر استغفار کرنے میں مشغول ہوجانا چاہیے۔

❁......جب کوئی بھی گاڑی چلانے کا عمل شروع کریں تو یہ دُعا پڑھ لینی چاہیے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ. وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ (سورۃ زخرف آیۃ ۱۳، ۱۴)

❁......موٹرسائیکل اور کوئی بھی گاڑی چلانے کے لئے عموماً راستوں سے گزرنا پڑتا ہے، جس پر گزرنے

کا حق دوسرے لوگوں کو بھی مساوی طور پر حاصل ہوتا ہے ،اس لئے گزرگاہ کو اپنی ذاتی ملکیت اور ذاتی جاگیر نہیں سمجھنا چاہیے،اور دوسرے گزرنے والوں کے حقوق کی بھی رعایت رکھنا چاہیے،نہ تو اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچائی جائے اور نہ ہی کوئی دوسری حق تلفی کی جائے۔

❁......موٹر سائیکل یا کوئی بھی گاڑی چلاتے وقت جلد بازی اور تعجیل سے کام نہ لیجئے ،مناسب رفتار کے ساتھ چلنا چاہیے، جلد بازی اور تعجیل کی وجہ سے کوئی بڑا حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے اور ہر ایک کے ذہن میں بلاوجہ کی جلد بازی اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے تقاضے پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں دوسرے لوگوں کو بھی تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

❁......موٹر سائیکل اور گاڑی چلاتے وقت اپنی قطار میں رہنے کی کوشش کرنی چاہیے، غیر اصولی انداز میں دوسری قطار میں ہونے سے نظام متأثر ہوجاتا ہے اور بعض اوقات دوسرے کی حق تلفی بھی ہوجاتی ہے۔

❁...... جب بھی کسی گاڑی ،موٹر سائیکل وغیرہ کے چلانے کی نوبت آئے ،اس سے پہلے آپ کو اس چیز کے چلانے اور استعمال کرنے کی مشق ہوجانی چاہیے، کیونکہ بغیر مشق کئے ہوئے چلانا قانونی جرم تو ہے ہی، بڑے نقصان کا بھی پیش خیمہ ہے، صحیح مشق اور تجربہ نہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات کوئی بڑا حادثہ پیش آجاتا ہے، جس کے نتیجہ میں اپنا یا دوسرے کا نقصان ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ جان تک چلی جاتی ہے۔

❁......موٹر سائیکل یا کوئی بھی گاڑی چلاتے وقت صبر تحمل اور وسعتِ ظرفی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے ،موقع بموقع خلافِ طبیعت باتوں کا سامنا ہوتا ہے ،دوڑنے اور تیز چلانے میں دوسرے سے آگے نکلنے کا تقاضا ہوتا ہے، ایسے وقت اگر صبر اور تحمل سے کام نہ لیا جائے تو انسان کسی بڑے حادثہ کا شکار ہوجاتا ہے ،یا بلاوجہ لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔اس اُصول کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجہ میں آج ہمارے ٹریفک کا نظام لوگوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔

❁...... موٹر سائیکل یا جو بھی گاڑی آپ کے پاس ہو اس کی مشینری کا چلانے سے پہلے جائزہ لے لینا چاہئے اور وقتاً فوقتاً مستری کو دکھلا کر درست کراتے رہنا چاہیے، ورنہ مشینری کی خرابی کے باعث کوئی حادثہ رونما ہوسکتا ہے، قدرت کی طرف سے منظور ہو تو سب کچھ سلامت رہتے ہوئے بھی جو مقدر میں ہو وہ ہو کر ہی رہتا ہے ،لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس عالمِ اسباب میں اسباب اور تدابیر کو چھوڑ ہی دیا جائے۔

(جاری ہے...........)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ ترتیب: مفتی محمد رضوان

اصلاح کے بغیر خالی پیری مریدی کافی نہیں

بعض لوگ خالی پیری مریدی کو کافی سمجھتے ہیں، بس کسی بزرگ سے بیعت ہوگئے اور سمجھ بیٹھے کہ اب ہم بخشے بخشائے ہیں، جنت میں لے جانا پیر صاحب کی ذمہ داری ہے، یہ بڑی غلط فہمی ہے، پیر صاحب کا اصل کام تو راستہ بتانا ہے، بشرطیکہ وہ پیر بھی راستہ سے واقف ہو، عمل کرنا یہ مرید کا اپنا کام ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

✪ ''کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو۔ کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرضِ باطنی بیان کرو اُس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اُس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخِ کامل کی۔ ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیرِ اعظم (بہت مفید) ہے............ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اُس کو پلہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں۔ کیونکہ ان کو بہکایا ہے دکانداروں نے۔ چنانچہ ایک گاؤں میں ایک (مکّار) پیر صاحب آیا جایا کرتے تھے۔ ایک بار آئے تو کچھ دبلے ہو رہے تھے۔ گھر پر مرغن کھانے نہ ملے ہوں گے۔ ایک چوہدری نے جو مرید تھا دیکھ کر کہا کہ اے پیر یہ کیا بات ہے۔ توں (یعنی تو) دبلا (پتلا اور کمزور) بہت ہو رہا ہے۔ اب کیا تھا انہیں موقع مل گیا۔ کہا کہ چوہدری جی دبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ تمہاری طرف سے کام بھی تو مجھے بہت کرنے پڑتے ہیں۔ تم نماز نہیں پڑھتے۔ تمہاری طرف سے مجھے نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ تم روزے نہیں رکھتے تمہاری طرف سے مجھے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ تمہاری طرف سے مجھے پل صراط پر چلنا پڑتا ہے۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ بس اسی فکر میں جان سُوکھی جاتی ہے۔ اب تو معلوم ہوگیا کہ کیوں دبلا ہو رہا ہوں۔ ان ہی وجہوں سے دبلا ہوگیا۔ یہ سن

کر چوہدری کو بڑا رحم آیا۔ کہنے لگا وَہ وَہ (افسوس کا کلمہ) ارے پیر تجھے تو بڑے کام کرنے پڑیں ہیں۔ تیرے اوپر تو بڑی محنت پڑے ہے۔ جامیں نے تجھے اپنا مونجی (چاولوں کی تیار فصل) کا کھیت دیا۔ پیر صاحب نے سوچا کہ یہ گاؤں کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار ہے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو رائے بدل جائے فوراً کہا کہ چوہدری جی میں نے تمہارا وہ کھیت کبھی دیکھا نہیں، چل کے مجھے دکھا دو اور قبضہ کرا دو۔ اس نے کہا چل۔ اب پیر صاحب تو آگے آگے اور مرید صاحب پیچھے پیچھے۔ کھیتوں میں راستہ نہیں ہوتا پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں۔ خاص طور سے مونجی اور دھان کے کھیتوں کی ڈول بہت اونچی اور پتلی ہوتی ہے۔ اور (ڈولوں کے دائیں بائیں) کھیتوں میں پانی بھرا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک پتلی سی ڈول پر چلے جا رہے تھے۔ دفعتاً (اچانک) پیر صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ رہے کیونکہ پانی کی وجہ سے مٹی بھی چکنی ہو رہی تھی، چوہدری نے کود کر اوپر سے ایک لات رسید کی اور کہا کہ تُو تو کہے تھا کہ میں پل صراط پر چلوں ہوں جو بال سے بھی باریک ہے۔ تو بالکل جھوٹا ہے ایک بالشت چوڑی مینڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا۔ بال سے باریک پل صراط پر تَو تُو ضرور چلتا ہوگا۔ جا میں کھیت نہیں دیتا۔ میں تو پل صراط کے بدلے دوں تھا۔ اب کیوں دوں۔ جا میں اب نہیں دیتا۔ کھیت کا کھیت بیچارے کے ہاتھ سے گیا۔ پانی میں جدا گرا۔ اور اوپر سے لات پڑی سوا لگ۔ تو جناب ان جاہلوں کو ایسے دکانداروں نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ہمیں کر لیں گے۔ بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، دعا کر دو کہ آنکھ کھلا کرے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کرونگا کہ آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ (شہر) پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھا دیا کروں۔

بیوقوف ہوئے ہو۔ اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اٹھو کسی طرح۔ اور اگر کسی طرح نہیں اٹھا جاتا تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو، غرض ہر چیز کا علاج ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے بس

سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہیں۔ لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کردوں۔ صاحبو کہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے۔ اور ہمت سے کام نہ لے سارا کام ہمت پر موقوف ہے۔ بیوقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جنابِ رسولِ مقبول ﷺ نے حضرت ابوطالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہوجائیں۔ مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا، اِنَّکَ لاَ تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ لیجئے جب خود حضور ﷺ ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کرسکے تو پیر بیچارے تو کیا کرتے۔ دیکھا آپ نے۔ اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ پھر ایک اور غضب یہ ہے کہ دین تو دین دنیا کے کام بھی پیر ہی کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں اتنے آدمی اب تک طاعون میں مرچکے ہیں۔ خیر جو مرچکے وہ تو مرچکے اب جو زندہ ہیں ان کی خیریت چاہئے۔ ایسی دعا کیجئے کہ وہ نہ مریں۔ میں نے لکھا کہ حضور آپ کو تو ماشاء اللہ وہاں کی انسپکٹری مل گئی ہے۔ جو وہاں کے انتظامات کی فکر ہے لیکن مجھے ابھی ٹھیکیداری نہیں ملی۔ تم تو انسپکٹر ہوگئے ہو مگر میں تو ٹھیکہ دار نہیں ہوا۔ یہ درخواست تو ایسی ہے کہ گویا حوالات سے اتنے مجرم تو بھاگ گئے بقیہ کا میں پہرہ دوں۔ سو مجھے اس چوکیداری سے معاف رکھئے۔ اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ شرک میں مبتلا ہوگئے لوگ۔ غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ کرنا نہ پڑے پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہوجائے۔ ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے اُن سے تو تحقیق کرلو۔ کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت چکی پیسنے سے پہلے چکی پیسی۔ پھر آٹا نکل آیا۔ پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا۔ پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھالی۔ اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی دو شخص ہم سفر تھے کسی مقام پر روٹی پکانے کے لئے ٹھہرے۔ تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آٹا تو میں لے آؤں گا لکڑی تم لے آؤ۔ اس نے کہا بھائی مجھ سے تو نہیں اُٹھا جاتا۔ میں تو بہت

تھک گیا ہوں تمہیں دونوں چیزیں لے آنا۔ خیر وہ آٹا بھی لے آیا۔ لکڑی بھی لے آیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آگ جلاؤں تم آٹا گوندھ لو۔ کہا اجی صاحب معلوم نہیں پتلا ہو جائے سخت ہو جائے پھر تم خفا ہونے لگو۔ بس تمہیں گوندھ لو۔ بیچارے نے آٹا بھی گوندھ لیا۔ پھر اُس نے کہا کہ تم توے پر روٹی ڈالتے جاؤ۔ میں سینکتا جاؤں۔ کہا میں نے تو بھائی کبھی روٹی پکائی نہیں۔ کچی رہ جاوے۔ جل جائے تمہیں اچھی پکاؤ گے خیر اس نے روٹی بھی پکالی۔ جب سب ہو ہوا چکا اور روٹی پک پکا کر تیار ہو گئی۔ تو اس نے ساتھی سے کہا کہ آؤ روٹی تیار ہے کھا لو۔ کہنے لگا بھائی تمہارے خلاف کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی اب کہاں تک خلاف کروں اور کب تک انکار کرتا رہوں۔ شرم آتی ہے۔ اچھا لاؤ کھا لوں۔ بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ بس احسان جتلا کر کھانے بیٹھ گئے۔ خیر غنیمت ہے ایک بات تو مانی تو اب تم بھی چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلا دے۔ لیکن ایسا نہ ہوگا۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں (یہ خیال ہے، ناممکن ہے اور پاگل پنا ہے)

جناب رسول اللہ ﷺ نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔ حضور ﷺ تو غایتِ شفقت (انتہائی مہربانی کی وجہ) سے بہت چاہتے تھے، کہ پکی پکائی ہی کھلا دیں، مگر غیرتِ حق اور مصلحتِ دین کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی۔ تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا۔ بس طریق یہی ہے کہ کام کرو۔ محنت کرو۔ خدا برکت دے گا۔ اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز (علاوہ) اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو جیسا کہ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو۔ لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کر لے اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دِق (تنگ) نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کراوے محنت کرو۔ ذکر و شغل کراوے ذکر شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ۔ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے'' (وعظ طریق القلندر ص ۶۲ تا ۶۵ وخطباتِ حکیم الامت ج ۱۱ ص ۲۹۹ تا ۳۰۲)

✪ ''سچ بات یہی ہے کہ کام اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے، کسی دوسرے کے کئے کوئی کام نہیں

ہوتا اور میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کے کرنے سے کام ہوجاتا ہے اور اپنے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو اس کی کیا وجہ کہ یہ قاعدہ دین ہی کے کاموں میں برتا جائے، دنیا کے کاموں سے بھی کیوں ہاتھ نہیں اٹھالیا جاتا اور ان کو بھی کیوں پیر صاحب کے بھروسہ پر نہیں چھوڑ دیا جاتا، بس نہ کھاؤ نہ پیو، نہ کھیتی کرو، سب کام تمہاری طرف سے پیر ہی کرلیا کریں گے، اُن ہی کے کھانے سے تمہارا پیٹ بھرجائے گا، ان ہی کے پینے سے تمہیں تسکین ہوجائے گی، افسوس ان کاموں میں تو اس قاعدے پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اپنے کرنے کو ضروری سمجھا گیا اور دین کے کام کو اس قدر سستا اور بے وقعت سمجھا گیا کہ اس میں اس قسم کے قاعدے برتے گئے۔اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا:

اُودھ (کے علاقہ) میں ایک پیر تھے کہ وہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، ان کے مرید کہا کرتے تھے کہ وہ مکہ جاکر نماز پڑھتے ہیں، میرے ایک دوست نے سُن کر کہا کہ صاحب اس کی کیا وجہ کہ نماز کے لئے تو مکہ کو اختیار کیا جائے اور کھانے (پینے) ہگنے کے لئے ہندوستان کو، اگر نماز وہاں پڑھی جاتی ہے تو کھانا ہگنا بھی وہیں ہونا چاہئے اور اگر یہ ہندوستان میں ہوتا ہے تو نماز بھی ہندوستان میں ہونی چاہئے، کیونکہ ہندوستان بم پولیس نہیں ہے اور اپنے اس قاعدے میں کہ سب (دین کے کام) پیر ہی کرلیں گے، غور کرکے دیکھو اس کا حاصل (مطلب) تو یہ ہے کہ گویا پیر تمہارے کمین (جمع دار) ہیں، کہ گناہ تم کرو اور پیر اس کو اٹھائیں، یاد رکھو کہ پیر صرف راستہ بتلانے کے لئے ہیں، کام کرنے کے لئے نہیں، کام تم کو خود کرنا چاہئے'' (اسلام اور زندگی، یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ اول ص ۱۰۱ و ۱۰۲)

ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیحُ الامت (قسط۲)

(بنام محمد رضوان)

’’مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے‘‘

عرض......کبھی وضو نہیں ہوتا اور وقت تنگ ہوتا ہے سبق کے گھنٹہ میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی تو وضو کیا جائے یا نہیں۔

ارشاد......صرف فرض جلدی جلدی ادا کرلیں۔ [۱]

عرض...... ہر وقت کتابوں سے تعلق اور واسطہ رہتا ہے ایسے میں بغیر وضو کتابوں کو چھو سکتے ہیں یا نہیں۔

ارشاد......چھو سکتے ہیں البتہ آیت پر ہاتھ نہ لگے۔

عرض......تکرار کے دوران اگر دو شخص باتوں میں مشغول ہو جائیں اور منع کرنے سے باز نہ آئیں تو کیا کیا جائے۔

ارشاد......سکوت، غور سے سنتے رہیں یا (کوئی تکرار میں شریک نہ ہو تو) خود تکرار دیوار سے کریں۔ [۲]

عرض......طالب علم ساتھیوں کے ساتھ بے تکلفانہ کلام کرنا صحیح ہے کہ نہیں؟

ارشاد...... ہرگز نہیں۔ [۳]

عرض......دورانِ طالب علمی نوافل اور دیگر وظائف وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

---

[۱] اگرچہ قرآن مجید کے علاوہ دوسری عام درسی کتب کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں لیکن افضل اور باعثِ برکت ہونے میں تو شبہ نہیں ، وقت تنگ ہونے کی صورت میں صرف فرائض کی جلد از جلد ادائیگی سے اس فضیلت و برکت سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

[۲] تکرار طالبِ علموں کے اس عمل کو کہا جاتا ہے جو وہ سبق پڑھنے کے بعد مِل بیٹھ کر آپس میں استاد کے پڑھائے ہوئے سبق کی دوہرائی کرتے ہیں اور دیوار سے تکرار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی تکرار کا شریک نہ ہو تو دیوار کو اپنا شریک سمجھ کر تکرار کیا جائے اور اس کی طرف مخاطب ہو کر سبق دوہرایا جائے۔

[۳] بے تکلفانہ گفتگو اور میل جول ہی کا نام اختلاط ہے، جس سے طالبِ علم کو بچنے کی حضرت رحمہ اللہ سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

Idara Ghufran

ارشاد......نماز کے متعلقہ نوافل تو ہوں، باقی درسیات میں حارج نہ ہوں۔ ۱

عرض......عصر کے بعد تا مغرب خالی وقت ہوتا ہے اس میں گھومنا اور مشی تنہا کرنی چاہئے یا کسی کے ساتھ۔

ارشاد......تنہا۔ ۲

عرض......اور اگر اس وقت میں قرآن مجید حفظ پختہ رکھنے کے لئے پڑھا جائے تو تنہا تلاوت کی جائے یا پھر کسی دوسرے طالب علم کے ساتھ دور کیا جائے جبکہ تنہا پڑھنے میں تسلی نہیں ہوتی۔

ارشاد......دور ہو مناسبِ طبع ساتھ۔ ۳

عرض......مطالعہ تنہائی میں کرنا مناسب ہے یا دوسروں کے ساتھ مل بیٹھ کر۔

ارشاد......تنہائی میں۔ ۴

عرض......اگر وقت تھوڑا ہو اور تمام سبقی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو تو کماحقہ طریقہ پر تمام سبقی کتابوں کا مطالعہ نہیں ہو پاتا، اب دو صورتیں ہیں یا تو صرف خاص اور اہم کتابوں کے مطالعہ پر اکتفاء کیا جائے، یا پھر سرسری طور پر تمام کتابوں کا کر لیا جائے۔

ارشاد......جن جن کتابوں کا اپنے نزدیک اہم ہو۔

عرض......احقر اگر ہر جمعرات کو تھانہ بھون چلا جایا کرے اور جمعہ کو واپس مدرسہ آ جایا کرے کہ جس سے تعلیم میں خلل واقع نہ ہو کیسا ہے؟ ۵

---

۱ یعنی سنن اور نماز سے پہلے اور بعد کی متعلقہ نوافل کا تو اہتمام کرنا چاہئے، اس سے زائد کا اس شرط پر کہ طالبِ علم کے درس کے معمولات میں حرج نہ ہو۔

۲ اس کی وجہ بھی وہی اختلاط اور فضول میل جول سے بچنا ہے۔

۳ حضرت رحمہ اللہ نے مناسبِ طبع طالبِ علم کے ساتھ دور کرنے کی قید اس لئے لگائی تا کہ فضول اختلاط اور دوسری خرابیوں میں ابتلا نہ ہو۔

۴ مطالعہ کے لئے یکسوئی اور خالی الذہن ہونا ضروری ہے اور تنہائی یکسوئی کے لئے معین ہے، اس کے برخلاف جلوت میں یکسوئی کا قائم رہنا ہم جیسے کمزوروں کے لئے مشکل ہے اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے تنہائی کو ترجیح دی۔

۵ قصبہ تھانہ بھون دراصل قصبہ جلال آباد سے بہت قریب واقع ہے، تقریباً تین چار کلومیٹر کا فاصلہ ہے، بس وغیرہ میں صرف دس منٹ میں ایک قصبہ سے دوسرے قصبہ میں پہونچ جاتے ہیں، قصبہ تھانہ بھون کیونکہ آبائی وطن تھا، وہاں قریبی اور محرم اعزہ رہتے تھے، اس لئے جمعرات کے دن عصر کے وقت چھٹی ہونے کے بعد تھانہ بھون چلے جانے کا معمول تھا اور جمعہ کے دن مغرب کے وقت مدرسہ میں واپس آ کر تکرار میں شمولیت ہو جایا کرتی تھی۔

ارشاد......درست ہے۔

عرض......بیان اور تکرار کے وقت تیز تیز بولا جائے یا تدریجاً آہستہ آہستہ زبان روک کر۔

ارشاد......آہستہ آہستہ۔

عرض......تکرار کراتے وقت تقریر مختصر کی جائے یا تفصیلی۔

ارشاد......اصل حلِ کتاب ہے جو کتاب میں لکھا ہے وہ پورے اور صحیح صحیح طور پر حل ہو جاوے اس کے بعد جیسے مخاطب ہوں، شوقین، صاحبِ ذہن وحافظہ۔

عرض......جماعت میں سبق کے لئے کتاب کی عبارت پڑھنے کا سب ساتھیوں کو شوق نہیں اگر کوئی دوسرا چاہتا ہے پڑھ لیتا ہے ورنہ نہیں جب استاذ صاحب سبق شروع فرماتے وقت عبارت پڑھنے کا فرماتے ہیں تو سب ساتھی مجھ کو اشارہ کرتے ہیں اور اگر کوئی شروع نہیں کرتا تو استاذ صاحب بھی مجھ ہی کو دیکھتے ہیں اس لئے زیادہ تر عبارت پڑھنے کی ذمہ داری میرے اوپر رہتی ہے، ہر وقت فکر لگا رہتا ہے مطالعہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

ارشاد......یہ فکر تو اچھی ہے کہ مطالعہ ہوگا، استعداد ہوگی، اس سلسلہ میں زبانی بات بھی ہو۔ ؎۱

عرض......رشتہ دار واقارب کثرت سے اپنے ہاں بلاتے ہیں اور دعوت دیتے رہتے ہیں احقر علم دین میں مصروف ہے، جانے کا وقت نہیں ملتا۔

ارشاد......ویسے بھی یہ جانا اچھا نہیں، عذر کردیں کہ طالب علم ہوں، وقت نہیں ہے محبت سے کہہ دیں۔ ؎۲

عرض......کبھی کبھی کوئی شخص تعویذ لینے کے لئے بہت اصرار کرتا ہے اپنی کسی ضرورت یا بیماری کے لئے اور کبھی کوئی کہتا ہے کہ ہمیں کوئی تسبیح جامع اور اچھی سی پڑھنے کے لئے بتلا دیجئے۔ ایسے حالات میں کیا صورت اختیار کی جائے۔

ارشاد......مضبوطی ہو، عذر کردیں، ورنہ وقت ضائع ہوگا۔ ؎۳

؎۱ حضرت رحمہ اللہ نے زبانی طور پر بھی اس چیز کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی اور کچھ موقعہ کی مناسبت سے ہدایات بھی ارشاد فرمائی تھیں۔

؎۲ حضرت والا رحمہ اللہ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے، اس لئے اپنی مصروفیت کا عذر کرنے میں محبت اور ہمدردی کے انداز کی تلقین فرمائی تا کہ دوسرے کی دل شکنی نہ ہو۔

؎۳ تعویذ نویسی کو مستقل مشغلہ بنالینا ویسے بھی ہمارے اکابرین نے پسند نہیں فرمایا اور طالبِ علم ہونے کی حیثیت سے تو یہ وقت ضائع ہونے کے علاوہ کئی مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔

عرض......احقر کے الحمدللہ تعالیٰ قرآن مجید حفظ بہت اچھا یاد ہے۔

ارشاد......دل خوش ہوا۔

عرض......ترتیب سے پڑھتا ہوں تو اچھا یاد ہوتا ہے۔لیکن اگر کوئی کسی آیت کے حصہ کے متعلق معلوم کرے کہ یہ کونسے پارے یا کس سورت میں ہے تو اس کا اندازہ صحیح طور پر نہیں ہو پاتا، اگر چہ اس آیت کو آگے تک پڑھ لیتا ہوں اس کا کیا حل ہو؟

ارشاد......تلاوت کی مزاولت ہو۔ [۱]

عرض......سبق کے دوران حدیث کی کتابوں میں جو احادیث آتی ہیں ان میں سے کچھ زبانی یاد کر لینی چاہئیں یا ابھی صرف ترجمہ اور مفہوم سمجھنے پر اکتفاء کیا جائے۔

ارشاد......جو کسی وقت کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوں، حفظ کر لیں۔

عرض......اگر کسی ساتھی کو غیر ضروری اور لغو کلام کرنے کی عادت ہو اور احقر مطالعہ کر رہا ہے لیکن دوسرے شخص کو باتوں کی سوجھی ہوئی ہے، کوئی سوال کر رہا ہے، یا اور کوئی غیر ضروری بات کا جواب معلوم کر رہا ہے ایسی صورت میں کیا ردِ عمل اختیار کیا جائے۔

ارشاد......کہہ دیا معلوم نہیں۔ [۲]

عرض......مدرسہ کے جس حجرہ میں احقر رہائش پذیر ہے اس میں تقریباً سب طلبائے کرام کے پاس چارپائیاں ہیں، حجرہ میں صفائی کی باری اور نمبر تجویز کئے گئے تھے لیکن ان پر پابندی نہیں کی گئی بس اپنی اپنی جگہ سے صاف کر لیا جاتا ہے۔

ارشاد......ٹھیک ہے۔

عرض......دوران سبق کوئی سوال ذہن میں آئے تو اسی وقت سوال کر لینا چاہئے یا سبق سے فراغت کے بعد استاذ صاحب سے رجوع کیا جاوے۔

ارشاد......جیسا ذوق ہو۔ [۳]

---

[۱] اس جملہ سے تلاوت کی پابندی کی تعلیم و اہتمام بتلانا مقصود ہے۔

[۲] حضرت والا رحمہ اللہ نے لغو اور فضول کلام کرنے والے کی طرف سے سوال ہونے پر ایسا جواب تلقین فرمایا جو نہایت مختصر، جامع اور اعتدال پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے کو میٹھے اور شیریں انداز میں اپنے فضول کلام پر متوجہ اور آگاہ کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

[۳] اس جملہ میں اپنے اور استاد صاحب دونوں کے ذوق کا لحاظ ہو گیا۔ سبحان اللہ

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس ترتیب: مفتی محمد رضوان

❖ طلباء کو نرمی کے ساتھ مانوس کرنے کی ضرورت

(تعلیماتِ حکیم الامت کی روشنی میں)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آج کل بچوں کی تعلیم کے باب (بارے) میں بڑی گڑ بڑ ہو رہی ہے، نا اہل استاد تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوتے ہیں، نہ تو تعلیم ہی بچوں کی ہوتی ہے، نہ تربیت۔

ایک بڑی کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ بچہ کو مانوس بنا کر تعلیم نہیں دیتے، میرا یہ مطلب نہیں کہ گستاخی کے درجہ تک مانوس بنوانا مقصود ہے، مگر یہ بھی نہیں کہ متوحش بنایا جائے، توحش (وحشت ہونے) کی حالت میں بچہ پڑھ نہیں سکتا، اس ہی لئے ضرورت ہے کہ بچہ کو مانوس بنایا جائے، مانوس ہونے کی حالت میں (بچہ) نہایت سہولت سے پڑھ سکتا ہے، مگر یہ معلم (تعلیم دینے والے) لوگ اکثر سنگدل اور کم عقل ہو جاتے ہیں، تعلیم کے لئے ترحم (رحم دلی) اور عقل کی ضرورت ہے، اور مزاحاً فرمایا کہ کبھی کبھی اکل (کھانے پینے) کی بھی ضرورت ہے، یعنی بچوں کو کچھ کھانے کو بھی دے دیا کریں، مگر آجکل بچوں کو گلگلہ (میٹھا پکوان شیرینی) تو دیتے نہیں، محض (صرف) غلغلہ (شور وغل) سے کام لیتے ہیں سو اس سے کیا کام چلتا ہے،، نیز معلم کے لئے تقوے کی بھی ضرورت ہے، اس (یعنی بچوں کی تعلیم وتربیت) میں تقوے کو بھی بڑا دخل ہے، اس (تقوے) سے برکت ہوتی ہے تعلیم میں'' (ملفوظات الافاضات الیومیہ جلد نمبر۵ ص ۳۱۳ ملفوظ نمبر ۳۴۶)

''لڑکوں کو جس قدر مکتب اور مدرسہ جانے سے وحشت ہوتی ہے اس قدر وحشت خوفِ موت سے بھی نہیں ہوتی اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان (بچوں) کو مانوس بنا کر تعلیم دی جائے تا کہ یہ وحشت دور ہو مگر آجکل کے استاد بجائے مانوس بنانے کے بچوں کو اس قدر مارتے ہیں کہ اور وحشت بڑھ جاتی ہے، سو یہ طرز بہت ہی برا ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیہ جلد نمبر۵ ص ۳۱۵، ملفوظ نمبر ۳۴۹)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بڑے کام کی بات بتلائی ہے، جس کا اگر مدرسے ومکتب کے استاد اہتمام کر لیں تو بچوں کی تعلیم وتربیت بہت آسان ہو جائے۔ اور وہ ہے بچوں کو اپنے سے اور خاص طور پر تعلیم سے مانوس بنایا جائے، ان کے دل اور دماغ میں تعلیم کی انسیت ومحبت اور شوق وذوق پیدا کیا جائے، ان کے اندر ایسا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ جوان کو تعلیم پر آمادہ کرے اور اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے پر بچوں کو ابھارے، اگر بچوں میں یہ چیز پیدا کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ آسان ہو جائے گا، تعلیم کو بچہ اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھے گا، اور بددلی کے ساتھ تعلیم کے ساتھ وابستہ نہ ہوگا اور اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک رحم دلی اور دوسرے عقل رحم دلی کی وجہ سے طالبِ علموں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاؤ ہوگا جس سے طالبِ علم مانوس ہوں گے اور عقل کے ذریعہ سے اُصولوں کی پابندی کرائی جائے گی جس کی وجہ سے طالبِ علم گستاخ اور بے خوف نہ ہوسکیں گے۔ اور رحم دلی وعقل دونوں کی وجہ سے طالبِ علموں میں ایک اعتدال کی کیفیت قائم رہے گی۔ اُمید بھی ہوگی اور خوف بھی۔ اور ایمان بھی امید اور خوف کے درمیان ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

”الایمان بین الرجاء والخوف“

اور حضرت رحمہ اللہ نے تیسری ایک اور چیز استاد کے اندر ہونے کی نشاندہی فرمائی اور وہ ہے تقویٰ و پرہیز گاری کہ اس سے تعلیم میں برکت ونورانیت پیدا ہوتی ہے۔

اب حضرت رحمہ اللہ کی مذکورہ تین باتوں کا خلاصہ درجِ ذیل ہوا۔

(۱)...... طالبِ علموں کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا برتاؤ کرنا اور سنگ دلی سے پرہیز کرنا۔ تاکہ طالبِ علم دینی تعلیم اور استاد سے مانوس ہو جائیں اور اُن کی وحشت دور ہو جائے۔

(۲)...... عقل کے ذریعہ طالبِ علموں کو پڑھائی میں کامیاب کرنے اور ترقی دینے کے اُصول اور ذرائع اختیار کرنا۔ تاکہ طالبِ علم بے خوف اور گستاخ نہ ہونے پائیں۔

(۳)...... استاد کا تقویٰ اور پرہیز گاری کو اختیار کرنا۔ جو تعلیم اور تربیت میں برکت اور نورانیت کا ذریعہ ہے۔

آج کل مذکورہ چیزوں میں افراط اور تفریط کی وجہ سے طلبہ یا تو علمِ دین سے محروم رہتے ہیں یا پھر ظاہری اور روایتی علم تو حاصل ہو جاتا ہے مگر اس علم میں برکت ونورانیت پیدا نہیں ہوتی۔

علم کے مینار بمولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط ۷)

ہند کی اسلامی حکومت کے اس پہلے تعلیمی دور کی جس کا تذکرہ چل رہا ہے ایک اور امتیازی خصوصیت باطنی واخلاقی تربیت، مجاہدہ، جفاکشی، اور نفس کی مسلسل رگڑائی کا منظّم ومکمل اور مربوط نظام تھا، اس طرح کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس (یعنی انسان کی باطنی اور قلبی صفائی اور اخلاق کی اصلاح) دونوں چیزیں تعلیمی عمل کا حصہ تھیں اور نصابی حیثیت رکھتی تھی، مجاہدہ اور جفاکشی کے ذریعہ نفس کی اصلاح ودل کی صفائی کے بغیر کامل دینی تعلیم کا تصور ہی نہ تھا، اس جامعیت نے اس نظامِ تعلیم کو ہو بہو مسجدِ نبوی اور صفہ کے چبوترے کی پیغمبرانہ درسگاہ کا نمونہ بنا دیا تھا، اگرچہ یہ چیز ہندوستان کے پورے اسلامی دور میں دینی نظامِ تعلیم میں کسی نہ کسی شکل میں نظر میں آتی ہے اور آج بھی دینی مدارس میں اس کی ایک دھندلی سی تصویر موجود ہے، لیکن اس پہلے تعلیمی مرحلے میں یہ چیز جس شان کے ساتھ نظر آتی ہے بعد میں وہ اس درجہ میں باقی نہیں رہی، خصوصاً نویں صدی کے بعد جو تعلیمی ادوار ہیں ان میں بتدریج فلسفہ ومعقولات کی بھرمار ہونے کے بعد خالص دینی تعلیم کی روح بہت کچھ کمزور ہوتی گئی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ شہاب الدین غوری کی فتوحات کے بعد جب دہلی اور آس پاس کے علاقے جو فتح ہوتے گئے اسلامی حکومت وہاں قائم ہوتی گئی اور دن بدن وسعت حاصل کرتی رہی اس وقت خراسان، ماوراء النہر (وسطی ایشیا کے علاقے) ایران اور عراق وغیرہ سے بہت بڑی تعداد میں علماء ومشائخ نے یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے اور مسلمان معاشرے کو سنبھالنے اور اس نئے اسلامی ملک میں اسلامی تعلیمات کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے اس طرف کا رخ کیا، خصوصاً تاتاری فتنہ جس نے بغداد کی اسلامی خلافت کو ختم کیا اور سارے مشرقی اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی چھ سو سالہ تہذیب وتمدن کو ملیامیٹ کیا، جو کہ اسی عہد یعنی ہند میں اسلامی حکومت کے پہلی تعلیمی دور کا واقعہ ہے تو ان سب اسلامی ملکوں سے مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلوں نے ہندوستان ہی کو اسلام کا محفوظ قلعہ سمجھ کر ادھر کا رخ کیا۔ ان قافلوں میں جہاں ایک طرف بڑے بڑے شاہی خانوادوں کے بچے کھچے افراد، شہزادے اور شہزادیاں، تعمیرات، موسیقی، آرٹ، ادب، شعروشاعری وغیرہ فنون لطیفہ کے بڑے بڑے نامور اہلِ کمال موجود تھے جو مختلف اسلامی ممالک کی آبرو اور وہاں کی تہذیبی

وثقافتی زندگی کے روح رواں تھے اور مختلف شاہی دوباروں کی زینت تھے، فتنہ تاتار کے طوفانی ریلے میں جب یہ سب سلطنتیں اور ریاستیں غرقاب ہوئیں تو یہ سب بھی ہندوستان پہنچے اور ہند کی اسلامی حکومت نے سب مہاجر مسلمانوں اور خصوصاً ان اہلِ کمال کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور سرآنکھوں پر بٹھایا اور پھر انہوں نے بھی اپنے ہنر اور فن اور صلاحیتوں اور کمالات کو اس نوخیز اسلامی سلطنت کو تہذیب وثقافت، صنعت وتعمیرات کے ہر میدان میں درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے استعمال کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی اور دوسرے شہروں کو رشک غرناطہ وبغداد بنادیا اور دنیا بھر میں ہندوستان کی عظیم اسلامی تہذیب اور شائستگی کا ڈنکا بجوادیا، تو دوسری طرف ان بے خانماں وبے آسرا مہاجر قافلوں میں علماء ومشائخ، محدثین ومفسرین، قراء ومتکلمین اوران کے پورے پورے گھرانے اور حلقے بھی کثیر تعداد میں دہلی پہنچے، یہاں کے مردم شناس، خدا آشنا مسلمان بادشاہوں خصوصاً التمش اور بلبن نے ہر طبقے سے زیادہ ان دینِ اسلام کے حاملین اور نبی امی ﷺ کے وارثین کا اعزاز واکرام کیا ان کو معاش سے بے فکر کرکے ان کے علوم سے ہندوستان کو فیضیاب کیا اور دلی کو ثمر قند وبخارا کا جانشین بنادیا۔ غرضیکہ فتنہ تاتار سے پہلے علماء وصلحاء اور مشائخ اور فتنہ تاتار کے بعد علماء ومشائخ بھی اور ہر شعبہ زندگی کے اہل کمال بھی بہت زیادہ تعداد میں ہندوستان آکر رہ بس گئے، اوراس ملک میں اسلام کی علمی اور تمدنی تاریخ ان کے ہاتھوں نئے سرے سے مدون ومرتب ہوئی ان اہلِ علم اور اہلِ کمال کے ہندوستان کی تمدنی زندگی کے ہر شعبے پر گہرے اثرات ہیں اور یہاں کے دینی علمی، اصلاحی اور دعوتی کاموں اور تعلیمی اداروں اور نظاموں پران باہر سے آنے والے علماء ومشائخ کے انمٹ نقوش ثبت ہیں، اوران کے ایسے دیرپا احسانات ہیں جن سے اس برصغیر کی اسلامی نسلیں ہمیشہ زیرِ بارِ احسان اور شکر گذار رہیں گی۔ یہ داستان بڑی ایمان افروز ہے اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا یک بہت ہی دلچسپ، عبرت انگیز اور بصیرت افروز باب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ بہرحال ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس پہلے تعلیمی دور میں یہ چیزیں بہت واضح اور نمایاں ہے کہ مشائخ ومرشدین کی جو خانقاہیں تھیں وہ صرف چلہ کشی اور ذکر ومراقبات کی بیٹھکیں نہ تھیں بلکہ وہ مدرسہ اور علوم وفنون کی تعلیم گاہیں بھی تھیں اور نفس کی رگڑائی اور نفسانی خواہشات کی پائمالی کے لئے جفاکشی اور مجاہدات کی رزم گاہیں بھی تھیں، اوراس طرح فتویٰ وقضا کا شغل رکھنے والے اور قانون شریعت کا معاشرے میں انتظامی اعتبار سے نفاذ کرنے والے علماء کے درس وتدریس کے حلقے صرف قیل وقال کے حلقے نہ تھے، بلکہ رشد واصلاح اور تزکیہ کے مرکز بھی تھے، مثلاً حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ جو خواجہ معین

الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کے مرید با صفا اور سلطان التمش کے شیخ ومرشد تھے ان کی دہلی میں جو خانقاہ تھی وہ خانقاہ کی خانقاہ تھی مدرسہ کا مدرسہ تھا، زہد وورع ،تقویٰ،طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی تھی ، یہاں کے طلبہ کو فقر وفاقہ ،تکلیف ومصیبت کے برداشت کی عادت ڈلوائی جاتی، یہ طالبینِ اصلاح پہاڑوں ،جنگلوں ، دشت وبیاباں ہر جگہ اپنی سادگی اور قناعت کے نقوش قائم کرتے اور اسلام کے داعی بن کر ہر جگہ سے گذرتے ،اسی طرح شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کی دلی میں خانقاہ کا مختصر حال پیچھے گذرا ہے۔غرضیکہ ہند میں اسلامی تعلیم کا یہ پہلا مرحلہ جو چھٹی صدی کے آخر میں اسلامی حکومت کے قیام سے کم وبیش نویں صدی کے آخر میں سکندر لودھی کی حکومت قائم ہونے تک پھیلا ہوا ہے،اس میں اسلامی ہندوستان کو بڑے ہی باکمال اور تقویٰ وطہارت کے مجسم نمونے علماء ومشائخ میسر آئے ،جن کا نام بنام مختصر تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے،ان علماء ومشائخ کے ہاتھوں اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کی دوسری اسلامی ضروریات پوری ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت ،دعوت وارشاد اور علم واصلاح کی منظّم ومکمل تحریک بھی اسلامی ہندوستان کے گوشے گوشے میں برپا ہوئی اور انہی کی رہنمائی ،نگرانی اور انتظام میں آگے بڑھتی رہی اور تکمیل تک پہنچی اور کامل تین صدیوں تک ہندوستان بھر کو اور دوسرے اسلامی خطوں اور ملکوں کو بھی ظاہری وباطنی اسلامی علوم وکمالات کے ایسے ایسے رجالِ کار،علماء وفضلاء ومشائخ فراہم کرتی رہی جن پر اسلام کی تاریخ ہمیشہ ناز کرتی رہے گی ،جنہوں نے اپنے زمانے پر بھی اور بعد کے زمانوں پر بھی ایسے گہرے اثرات ڈالے کہ جن کو مٹاتے مٹاتے گردشِ ایام کی گردشیں تھم جائیں گی اور زمانے کی نبضیں ڈوب جائیں گی۔انہیں رجال کار کی خدمات کا یہ اثر اور یہ برکت ہے کہ آج بھی ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش ، افغانستان، بلکہ مشرق میں آخری اسلامی جزائر ملائشیا وانڈونیشیا تک اسلام پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے اور بہت سے اسلامی ملکوں سے زیادہ معاشرتی واجتماعی زندگی میں آب وتاب اور شان وشوکت رکھتا ہے اور راسخ علماء سے مالا مال ہے،ایسے علماءِ راسخین جو علم وعمل اور تقویٰ وطہارت میں سلف صالحین کے نمونے ہیں۔ان علماء ومشائخ اور نبی علیہ السلام کے دین کے ان وارثوں کو ہمارا اسلام پہنچے جنہوں نے کامل تین صدیوں تک ہندوستان میں اسلامی تاریخ کو ثمرقند وبخارا کے اجاڑ ہو جانے اور بغداد کے ویران ہونے کے بعد نئے سرے سے مرتب کیا۔ ع

تمہاری قبروں پہ خدا کی رحمت تمہاری لحد کو سلام پہنچے

(جاری ہے............)

تذکرۂ اولیاء مولانا محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۳)

تصوف کے مختلف سلسلوں کے تاریخی ارتقاء اور تدریجاً ان سلسلوں کا آغاز اور عروج وتکمیل تک پہنچنے کے مرحلے اور پھر بدعات وخرافات اور رسمی چیزوں کا بعد کے ادوار میں جزوی یا عمومی طور پر بہت سے سلسلوں والوں پر غالب آنا اور اس کی شرعی افادیت ومقصودیت کا پسِ منظر میں چلے جانا اور پھر وقتاً فوقتاً ان میں اصلاح وبگاڑ کی کشمکش کا برپا ہونا اور پھر تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہونا، ان سب امور کے بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی حقیقت اور شریعت میں اس کا درجہ ومقام متعین کیا جائے، اس طرح ایک معیار بھی سامنے آجائے گا کہ آگے کے مراحل میں کونسی چیز مقصود میں داخل ہے اور کونسی غیر مقصود ہے اور کونسا عمل یا طریقہ کس درجہ کا ہے؟ اور تصوف کا درجہ شریعت میں جب ہی متعین ہوسکتا ہے جب خود شریعت کی حقیقت اور اس کی حدود اور وسعتوں کا اندازہ ہو۔

پس جاننا چاہئے کہ دینِ اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اور حضور ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے جامع ومکمل شریعت اور دستورِ زندگی ہے، خواہ وہ انسان مشرق میں بستے ہوں یا مغرب میں، ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں یا کسی اور براعظم میں یا اس کے کسی جزیرہ میں اور خواہ پہلی صدی ہجری کے زمانے میں ہوں یا اس کے بعد کی کسی صدی میں، موجودہ صدی اور زمانے میں ہوں یا آئندہ زمانے میں پیدا ہوں، جیسے کہ قرآن مجید کی ان نصوص اور آیتوں سے واضح ہے:

(۱) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران آیت ۱۹)

(۲) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران آیت ۸۵)

(۳) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب آیت ۴۵،۴۶)

(۴) وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء آیت ۱۰۷)

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا آیت ۲۸)

(۶) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف آیت ۱۵۸) ؎

اور پھر نبی علیہ السلام کی وساطت سے امت پر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ہم نے ایک مکمل شریعت آپ کو عطا کر دی اب یہی آپ کے لئے قابلِ عمل ہے اور اس کو چھوڑ کر کسی اور ازم، نظام، دستور، قانون، آئین، سوچ اور طرزِ زندگی کی اتباع نہ کریں جو ان انسانوں کا بنایا ہوا ہو جو اللہ کے قانون اور اللہ کی منشاء و مراد کو نہیں جانتے کیونکہ اللہ کی منشاء و مراد جو انسانوں کے بارے میں ہے اور ان کی دنیا کی زندگی کے بارے میں ہے وہ خود اللہ تعالیٰ کے کسی کو بتانے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی اس منشاء و مراد کا علم وحی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتے ہیں، پس یہ شریعت جو آپ ﷺ کو دی گئی یہ اللہ کی اس منشاء و مراد کا مجموعہ ہے جو قیامت تک کے انسانوں سے اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، اس میں ان کی زندگی کے سب گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے کہ ہر گوشۂ زندگی اور ہر شعبہ حیاۃ میں اللہ تعالیٰ ان سے کس طرح کی زندگی اور کس طرح کا طرز و طریقہ چاہتے ہیں، اور اس مجموعہ احکام پر ''شریعت'' کے لفظ کا اطلاق کیا جو کہ زندگی کے لئے ایک مکمل دستور و قانون کا مفہوم خود اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، لہٰذا شریعت کہہ کر اس آسمانی قانون اور نظام کی تمام آئینی اور دستوری وسعت واضح کر دی کہ یہ پوری زندگی پر حاوی ہے۔ یہ ساری باتیں اور سارا مفہوم ذیل کی آیت سے روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آتا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیۃ آیت ۱۸)

ترجمہ: ''پھر ہم نے کر دیا آپ کو اے نبی (ﷺ) ایک شریعت پر دین میں سے پس آپ اسی کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی مرضی اور خواہشات کی اتباع نہ کریں جو نہیں جانتے''

اس کی مزید وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ساری امت کو خطاب فرما کر ان کو کامل دین میں داخل ہونے یعنی عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے، کہ یہ نہ ہو کہ کچھ نظریات اسلام کے ہوں کچھ کسی

؎ آیات کا نمبر وار ترجمہ ملاحظہ ہو (۱) بے شک مقبول و پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے (۲) اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں کامیابی اور ہدایت تلاش کرے گا تو ہرگز اس سے وہ قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والے لوگوں میں ہوگا (۳) اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو بھیجا گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا (مغفرت و نجات کی) اور ڈراوا سنانے والا (کفر و نافرمانی کی صورت میں اللہ کے عذاب سے) اور اللہ کی طرف بلانے والا اسکے حکم سے اور آپ روشن چراغ ہیں (۴) اور ہم نے آپ کو سارے جہان کے لوگوں کے لئے سراپا رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے (۵) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈراوا سنانے والا (۶) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اور ازم اور نظام کے یا عبادات میں اسلام کی اتباع ہو تو معاملات و معاشرت میں یا اخلاقیات میں کسی اور مذہب یا قوم اور یا معاشرے کی جیسا کہ آجکل بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ مرض بہت پھیل گیا ہے، آیت ملاحظہ ہو:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (البقرۃ آیت ۲۰۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''

اس آیت میں واضح ہے کہ شریعت سے کلی یا جزوی طور پر ہٹنا شیطان کی راہ پر پڑنا ہے، زندگی گذارنے کا ایک طریقہ وہ ہے جو رحمٰن نے متعین اور مقرر کیا اور اس سے ہٹ کر جو بھی زندگی کے کسی عمل میں کوئی طور طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ یا تو لوگوں کی اپنی خواہشات اور ان کے نفس کی تجویز کردہ کوئی سوچ ہوگی (جیسا کہ پچھلی آیت سے معلوم ہوا) اور یا پھر شیطان نے وسوسہ وغیرہ ڈال کر ان کو وہ راستہ سمجھایا اور بتلایا ہوگا (جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے دینِ اسلام کی جامعیت اور وسعت کا اور اس کے ہمہ گیر مطالبات کا کہ وہ پوری زندگی میں خودسپردگی کا مطالبہ کرتا ہے، کسی ایک شعبے میں یا کسی ایک چیز میں اتباع کو کافی قرار نہیں دیتا، اور اسی کامل خودسپردگی کو کامل ایمان، کامل ہدایت اور کامل نجات کی بنیاد بناتا ہے، اور اس سے ہٹ کر کوئی درمیانہ یا غیر جانبدارانہ راستہ یا درجہ نہیں بلکہ اس سے ہٹ کر نفسانی خواہشات یعنی من مانی زندگی گذارنے والا راستہ ہے یا شیطان کے تجویز کردہ کاموں اور انتخاب کردہ راستوں پہ زندگی کو ڈالنا ہے اور نفس و شیطان دونوں کی اتباع ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے۔ (جاری ہے............)

پیارے بچّو!

مفتی ابو ریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

پرانے اور آج کے کھیل (تیسری وآخری قسط)

ہنچّل باکڑی کا کھیل

پیارے بچو! پہلے زمانے میں ایک کھیل ہنچّل باکڑی کے نام سے کھیلا جاتا تھا، اس کھیل کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ گھر کے صحن یا برآمدہ میں یا کسی بھی بڑی جگہ زمین پر اینٹ کے بٹہ سے نشان ڈال کر چورس یعنی چوکور ڈبّے بنادیئے جاتے تھے، ڈبّے بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے ایک چاروں طرف چورس لکیر کھینچ دی جاتی تھی، جس کی لمبائی زیادہ ہوتی تھی اور چوڑائی کم ہوا کرتی تھی، اور پھر اس ڈبّے کی لمبائی میں ایک سیدھی لکیر کھینچ دی جاتی تھی، اور کبھی دو لکیریں کھینچی جایا کرتی تھیں، اور اس کے بعد چوڑائی والی طرف سے لکیریں کھینچ کھینچ کر خانے خانے بنائے جاتے تھے، ان خانوں کے تیار ہونے کے بعد ایک مٹی کے برتن کے ٹوٹے کا گھسا ہوا گول بٹہ لے کر اور اس دائرہ سے باہر کھڑے ہو کر اس بٹے کو پہلے خانہ میں ڈالا جاتا تھا اور پھر ایک ٹانگ اوپر اٹھا کر ایک ٹانگ سے چل کر اسی ٹانگ کی ٹھوکر سے اس بٹے کو باری باری خانوں میں پہنچانا ہوتا تھا، اور اس کھیل کے دوران یہ خیال رکھنا ہوتا تھا کہ وہ بٹہ اور پاؤں خانوں کی لکیر پر نہیں آنا چاہئے، اور نہ ہی اس دائرہ سے باہر نکلنا چاہئے، اس طرح جب ایک مرتبہ سارے خانوں کی باری مکمل ہوجاتی تھی پھر اگلے خانہ میں بٹہ پھینک کر اسی خانہ میں چھلانگ لگا کر پہنچنا ہوتا تھا، اور ایک پاؤں سے چل چل کر اور اسی پاؤں سے ٹھوکر لگا لگا کر اس بٹے کو ترتیب وار خانوں میں پہلے اگلی طرف سے دوسری پار تک جا کر اور واپسی پر پھر خانوں کی ترتیب سے بٹہ واپس لانا ہوتا تھا، اور کھیل کے اگلے مرحلوں پر پہنچ کر بٹہ کو پھینکنے اور اس میں چھلانگ لگا کر پہنچنے کا خانہ دور سے دور ہوتا چلا جاتا تھا۔

پیارے بچو! یہ کھیل جسمانی اور دماغی صحت اور ورزش کے لئے بہت ہی فائدہ مند ہوتا تھا۔

مگر آج اس قسم کے کھیلوں کا صرف تذکرہ تو سنا جاسکتا ہے، مگر ان کھیلوں کے کھیلنے والے بچوں کا وجود گُم ہو کر رہ گیا ہے، شاید بعض دیہات یا قصبوں میں اب بھی اس قسم کے بعض کھیل کھیلے جاتے ہوں مگر شہروں

Idara Ghufran

میں تو ان کھیلوں کا نام ونشان ہی مٹ گیا ہے، اور کھیلوں کی جگہ اچھی خاصی مصیبتوں اور بلاؤں نے لے لی ہے

پیارے بچو! یہ چند کھیل تمہارے سامنے پیش کئے گئے ہیں، پہلے زمانے میں اس قسم کے سادے اور ورزش سے بھرپور کھیل بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔ اگر تم چاہو تو ان کھیلوں میں سے جو مناسب اور اپنی حالت کے مطابق سمجھو وہ کھیل کھیل سکتے ہو، زیادہ محنت اور جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، بہت آسانی اور سہولت کے ساتھ تم ان کھیلوں کو کھیل کر اپنی صحت وتندرستی کی حفاظت کر سکتے ہو، اور اپنی جسمانی اور دماغی طاقتوں اور صلاحیتوں کو محفوظ اور کارآمد بنا سکتے ہو۔ مجھے امید ہے کہ پیارے بچو تم ان کھیلوں میں سے کوئی کھیل ضرور کھیلنے کی کوشش کروگے۔ لیکن بچو! کھیل کے بارے میں ایک خاص بات ذہن میں رکھنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ کھیل کے وقت کھیل ہونا چاہئے اور کام کے وقت کام، پڑھائی کے وقت پڑھائی، اور سونے کے وقت آرام، اور کھانے کے وقت پر کھانا، یعنی ہر چیز اپنے وقت اور اپنی حد پر رہنی چاہئے۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۷ "نبیوں کے سچے قصے"﴾ اور مغربی قومیں جنہوں نے اپنے تمدن کو خالص مادی والحادی بنیادوں پر استوار کر لیا تھا آپس کے سرپھٹول اور تیسری دنیا کی نوآبادیات کے بندر بانٹ میں لگی ہوئی تھیں ایسے میں جب ایٹم کی طاقت ان کے ہاتھ آئی تو دوسری جنگِ عظیم میں ایٹمی دھماکوں کی صورت میں انسانی نسل وسیع پیمانے پر ایٹم کی تباہ کن طاقت کا پہلا نشانہ بنی، اس طرح مادے میں چھپی وہ طاقت جو علم کے زور پر دریافت کی گئی اور انسان کے فائدے کے لئے استعمال کی جا سکتی تھی وہ انسان کی تباہی کا ذریعہ بنادی گئی، اور مثبت استعمال بھی اس کے بہت سے ہیں، ایٹم کی نیوکلیائی توانائی کو برقی توانائی میں تبدیل کر کے وہ تمام کام اس سے لئے جاتے ہیں جو بجلی سے لئے جا سکتے ہیں، گھروں اور صنعتوں میں بیسیوں مقاصد کے لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے (جاری ہے............)

بزمِ خواتین مفتی محمد رضوان

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

حضور علیہ وسلم کے خواتین سے چند اہم خطاب (قسط۳)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ حضور علیہ وسلم کی خواتین سے خطاب والی مذکورہ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں:

اس حدیث میں تین (اختیاری) عیب بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ تین عیب ایسے ہیں کہ باقی تمام عیبوں کا تعلق انہیں تین سے ہے، بعض عیبوں کا تو ان سے یہ تعلق ہے کہ وہ ان سے پیدا ہوتے ہیں جیسے غیبت اور چغل خوری کہ یہ بھی لعنت ملامت کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور نا اتفاقی، لڑائی جھگڑے وغیرہ ہوشیار مرد کو بے عقل کردینے سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض عیبوں کا ان سے یہ تعلق ہے کہ خود یہ اِن سے پیدا ہوتے ہیں، جیسے خاوِند کی ناشکری حرص اور طمع سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح غور کرنے سے سب کا تعلق معلوم ہوسکتا ہے، پس ان تینوں کی اصلاح ضروری ہوئی (تسہیل المواعظ ج ا ص ۶۳۵و ۶۳۶، وعظ عورتوں کی اصلاح)

دو غیر اختیاری عیبوں کا ذکر تو ہو چکا ہے، اب تین غیر اختیاری عیبوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خواتین کا کثرت سے لعنت ملامت کرنا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ حضور علیہ وسلم کی حدیث میں بیان فرمودہ ترتیب کے اعتبار سے خواتین کے تیسرے اور اختیاری ہونے کے اعتبار سے پہلے عیب یعنی کثرت سے لعنت ملامت کرنے اور بدزبانی وزبان درازی کے مرض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کثرت سے لعنت ملامت کرنے کا عیب عورتوں میں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کا یہی مشغلہ ہے، جس سے دشمنی ہے اس کی غیبت کرتی ہیں اور جس سے محبت ہے اس کو کوستی (بددعا دیتی) ہیں، اپنی جان کو بھی کوستی (بددعا دیتی) ہیں اور ہر چیز کو خواہ وہ لعنت ملامت کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو، کوستی (بددعا دیتی) ہیں۔

یاد رکھو! بعض وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے کہ اس میں اللہ سے جو کچھ مانگا جاتا ہے، قبول ہوجاتا ہے اور وہ کوسنا (بددعا کرنا) لگ جاتا ہے، پھر پچھتانا پڑتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک شخص ہے اس کا بدن رہ گیا ہے، اور اس میں کھنچاوٹ ہوتی ہے، چارپائی سے ہل نہیں سکتا اور سخت تکلیف میں ہے، اس کی ماں نے کسی شرارت پر یہ کہا تھا کہ خدا کرے تو چارپائی کو لگ جاوے، خدا کی قدرت وہ ایسا ہی ہوگیا اور اس کی مصیبت والدہ ہی کو اُٹھانی پڑی (تسہیل المواعظ ج ا ص ۶۲۳ و ۶۲۴، وعظ عورتوں کی اصلاح)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''عورتوں میں قوتِ بیانیہ اور قوتِ استدلال نہیں ہوتی (یعنی خواتین میں عقل و دین ناقص ہونے کی وجہ سے بات کرنے کا ڈھنگ اور اپنی بات کی دلیل پیش کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا) مرد کے ساتھ جب ان کی گفتگو ہوتی ہے وہ بے چارہ اس سے رنج ہی اُٹھاتا ہے وہ تو مناظرہ رشیدیہ کے قانون سے (یعنی دوسرے سے بات کرنے کے کتابوں میں بیان کیے گئے قاعدہ کے مطابق) گفتگو کرتا ہے اور یہ (عورتیں) اُلٹی سیدھی ہانکے چلی جاتی ہیں۔ بس زبان چلائے جائیں گی خواہ ایک بات بھی موقع کی نہ ہو، مرد بے چارہ ان کی زبان زوری دیکھ کر خاموش ہوجاتا ہے مگر یہ (عورتیں) کبھی خاموش نہیں ہوتیں۔ آخر یہ (عورتیں) مناظرہ میں اس (مرد) پر غالب آجاتی ہیں۔ اگر محض (صرف) بولنے (اور) بک بک کرنے کا نام مناظرہ ہے۔ تو گدھا بڑا مناظِر ہے۔

ہماری عورتوں میں ایک تھوڑی سی کسر (کمی) ہے اگر وہ مِٹ جائے تو یہ سچ مُچ کی حوریں بن جائیں گی، وہ کسر (کمی) کیا ہے؟ کہ ان کی زبان نہایت خراب ہے، ان کی زبان وہ اثر رکھتی ہے جیسے بچھو کا ڈنک، ذرا سی حرکت میں آدمی بلبلا جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے اس (زبان درازی) کا خوب علاج کیا تھا، اِن سے ایک عورت نے شکایت کی کہ خاوند سے روز لڑائی رہتی ہے کوئی ایسا تعویذ دیجئے کہ لڑائی نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایک بوتل میں پانی لے آ ؤ میں پڑھ دوں گا، اس سے لڑائی نہ ہوگی۔ وہ بوتل میں پانی لائی انہوں نے اس پر کچھ جھوٹ موٹ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب شوہر گھر میں آیا کرے تو اس پانی کا ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جایا کرو، پھر لڑائی نہ ہوگی۔ اس (عورت) نے ایسا ہی کیا، واقعی لڑائی ختم ہوگئی۔

پانی کا دَم کرنا تو نام کے واسطے تھا، اصل تدبیر یہ تھی کہ جب پانی منہ میں لیکر بیٹھ جائے گی تو زبان قینچی کی طرح نہ چلے گی۔ اور لڑائی ہوتی تھی اس کی بدزبانی سے، اس لئے ان بزرگ

نے اس کے بند کرنے کی یہ حکیمانہ (اور عقلمندانہ) تدبیر کی۔

اب بھی عورتیں اگر کسی طرح منہ بند کرلیں تو واقعی کبھی لڑائی نہ ہو............ دراصل بات یہی ہے کہ عورتوں کی بدزبانی بگاڑ کی جڑ ہے، یہ عیب عورتوں سے نکل جائے تو یہ سچ مچ حوریں بن جائیں'' (اصلاحِ خواتین ص ۱۳۵،۱۳۶ ملخصاً بحوالہ وعظ کساء النساء)

خواتین کا شوہر کی ناشکری کرنا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ حدیث میں بیان کردہ ترتیب کے اعتبار سے خواتین کے چوتھے اور اختیاری ہونے کے اعتبار سے دوسرے عیب ''ناشکری'' کے مرض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ناشکری کا مادہ عورتوں میں بہت زیادہ ہے، حدیث میں بھی عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ

تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ

کہ لعنت اور پھٹکار بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔

ایک حدیث میں ہے، اگر تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسان وسلوک کرتے رہو، پھر کبھی کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو جائے تو صاف یوں کہیں گی

مَارَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی

ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بھلا دیتی ہیں (اصلاحِ خواتین ص ۱۳۹،۱۴۰ بحوالہ وعظ حقوق البیت ص ۴۹)

عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے، اگر خدا تعالیٰ ان کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرما دیں تو یہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتیں، نہ اس پر خدا کا شکر کرتی ہیں۔ بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَارَأَيْتُ مِنْكَ

خَیْرًا قطُّ

کہ اگر تم کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو، پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلافِ مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔

بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات فراموش کر جاتی ہیں، جہاں کسی دن اِن کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اور انہوں نے اس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اِس نِگوڑے (نکمے، ناکارہ، نامراد اور منحوس) کے گھر میں آ کر تو میں نے سدا (ہمیشہ) تنگی ہی دیکھی۔ ماں باپ نے مجھے جان بوجھ کر کنویں میں دھکّا دے دیا، میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا؟

غرض جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتیں کہ آخر اسی گھر میں ساری عمر میں نے عیش برتا ہے، مجھے اس کو نہ بھولنا چاہیے۔ اور خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے کُلفت (تکلیف) آج ہی دِکھلائی اور زیادہ زمانہ عیش میں گزرا ہے (خطباتِ حکیم الامت ج ۲۰ بعنوان حقوق الزوجین وعظ الکمال فی الدین ص ۷۶ واصلاحِ خواتین ص ۱۳۹، ۱۴۰)

جس قدر ان (عورتوں) کو دیا جاوے، سب تھوڑا ہے، مجھ کو (دہلی شہر کے ایک مشہور مقرّر) مولوی عبدالرب صاحب کا ایک لطیفہ یاد آ گیا وہ فرماتے تھے کہ:

ان کے پاس کتنا ہی کپڑا ہو، جب پوچھو کہ کپڑا ہے؟ تو کہیں گی کیا ہے چار چیتھڑے۔

اور کتنے جوڑے جوتے کے ہوں مگر پوچھنے پر یہی کہیں گی کہ کیا ہے دو لیتھڑے۔

اور برتن کیسے ہی عمدہ اور کثرت سے ہوں مگر یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہے چار ٹھیکرے۔

(خیر یہ تو مولوی صاحب کا لطیفہ ہے مگر حقیقت میں عورتوں کی عادت کا فوٹو انہوں نے خوب کھینچا) ایک عورت خود کہتی تھی کہ ہمارا حال تو دوزخ کا سا ہے کہ اس کو کہا جاوے گا،

هَلِ امْتَلَأْتِ؟ کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ جواب میں کہے گی۔

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کہ کچھ اور بھی ہے) (خطباتِ حکیم الامت ج ۲۰ بعنوان حقوق الزوجین ص ۱۸۳، ۱۸۴، وعظ اصلاح النساء، وصفحہ ۷۷ وعظ الکمال فی الدین)

(جاری ہے............)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض حضرات جو تصوف اور پیری مریدی کی لائن میں مشہور ہیں اور وہ اپنے آپ کو علمائے حق اور اہلِ سنت والجماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں، انہوں نے جگہ جگہ مدارس، مساجد یا لوگوں کے گھروں میں اجتماعی مجلسِ ذکر کے لئے اوقات مقرر کر رکھے ہیں، جہاں پیر صاحب یا ان کے کوئی نمائندے ذکر کرانے کے لئے تشریف لاتے ہیں، اور اُن کے سلسلہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بآوازِ بلند اجتماعی ذکر کرتے ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پیر صاحب یا ان کے مقرر کردہ نمائندے کے ساتھ حلقہ بنا کر سب لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور مقررہ پیر صاحب یا ان کے نمائندہ کے ساتھ آواز ملا کر بلند آواز سے سب لوگ ذکر کرتے ہیں، جب ایک خاص ذکر مثلاً درود شریف ختم ہوجاتا ہے تو دوسرا ذکر شروع کرایا جاتا ہے اور اس طرح ایک مخصوص تعداد میں ذکر مکمل کیا جاتا ہے، ساتھ ہی اس مجلس میں شریک حضرات زور زور سے دائیں بائیں طرف ذکر کے ساتھ ہلتے بھی ہیں اور اس کو ضرب لگانا کہتے ہیں۔

بعض شرکاء کو ذکر کے دوران جوش اور مستی بھی سوار ہوجاتی ہے اور آواز غیر معمولی بلند ہوجاتی ہے، اجتماعی ذکر کی مجالس کی آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے، بعض جگہ بجلی بند کر کے اندھیرے میں ذکر کرایا جاتا ہے، بعض لوگوں کی طرف سے اس طرح ذکر کرنے کو صوفیائے کرام کا طریقہ بتلایا جاتا ہے اور اس کا فائدہ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس طرح ذکر کرنے سے دل نرم ہوتا ہے اور لذت محسوس ہوتی ہے، وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس طرح اجتماعی انداز میں بآوازِ بلند ذکر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور علمائے حق کا اس بارے میں کیا موقف ہے، واضح کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:...... اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت اہم عبادت ہے، خواہ تسبیح پڑھ کر ہو، یا درود شریف پڑھ کر، جس طرح سے بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توفیق ہوجائے بہت بڑی سعادت کی نشانی ہے، قرآن مجید اور بہت سی احادیث میں ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر کے مختلف فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مساجد میں بیٹھ کر ذکر کرنا روایات سے ثابت ہے، لیکن صحابۂ کرام میں نہ کسی خاص ذکر کا یا کسی دوسرے کے ذکر کا کوئی پابند تھا اور نہ خاص اس غرض کے لئے ایک دوسرے کو مدعو کیا جاتا تھا، اپنے اپنے طور پر تلاوت و استغفار سے لے کر تسبیح و تحمید تک ہر ایک مختلف قسم کے اذکار و کلمات حسبِ منشاء کیا کرتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی قید نہیں، کسی خاص ہیئت اور حالت کی یا دوسروں کے ساتھ ذکر کرنے کی پابندی نہیں، جمع ہونے کی شرط نہیں۔ قرآن مجید میں کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد پر اُبھارا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوۡداً وَّعَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۹۱)

ذکرِ الٰہی کی دو قسمیں: لیکن یاد رہے کہ ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک زبانی وقولی ذکر، دوسرے عملی و فعلی ذکر، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف زبانی ذکر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عملی و فعلی ذکر یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حلال و حرام کے احکام کی اتباع کرنا یہ بھی ذکرِ الٰہی میں داخل ہے، اور جو شخص صرف زبانی ذکر پر اکتفا کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی نہ کرے وہ حقیقی ذکر کرنے والوں میں شامل نہیں۔

چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنۡ لَّمۡ یُطِعۡهُ لَمۡ یَذۡکُرۡهُ وَاِنۡ کَثُرَ صَلَاتُهٗ وَتَسۡبِیۡحُهٗ

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا اگرچہ ظاہر میں اس کی نماز اور تسبیح کتنی بھی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی یعنی اس کے احکامِ حلال و حرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا اگرچہ اس کی (نفل عبادت) نماز روزہ وغیرہ کم ہو اور جس نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بُھلا دیا، اگرچہ (بظاہر) اس کی نماز روزہ، تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں (معارف القرآن ج۱ص۳۹۲،۳۹۳)

لہٰذا اوّلاً تو ذکرِ قولی و فعلی کے عام مفہوم کو نظر انداز کر کے صرف زبان کے ساتھ خاص کر لینا درست نہیں، دوسرے زبانی ذکر (جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے) اس کے لئے کبھی کسی خاص ایسی ہیئت کو مخصوص کر لینا جو شریعت سے ثابت نہ ہو بدعت اور مکروہ ہے۔

بدعت کی ایک صورت یہ ہے کہ جس عمل کی کوئی خاص ہیئت اور طریقہ خیر القرون سے ثابت نہ ہو اس

کو خاص کرلینا اور اپنی طرف سے اس میں قیدیں لگالینا۔

سوال میں اجتماعی ذکر کی مجالس کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، یہ طریقہ قرآن وحدیث، صحابۂ کرام، فقہائے عظام اور سلفِ صالحین سے ثابت نہیں بلکہ اس طرح کا اجتماعی ذکر بدعت ہے۔

ذکر ایک مستحب اور نفلی درجے کا عمل ہے، جس کے لئے لوگوں کو جمع کرنا اور اس غرض کے لئے لوگوں کو تحریری یا زبانی طور پر مدعو کرنا اور دعوت دینا، فقہائے کرام کی بیان فرمودہ ''تداعی'' کے مفہوم میں داخل ہے، اور تداعی کے ساتھ یہ عمل بدعت اور مکروہ ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ:

حضور ﷺ کے عظیم صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے اطلاع دی کہ کچھ لوگ (مخصوص وقت میں) مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ کر اجتماعی انداز میں اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص ان میں سے دوسروں کو مختلف قسم کے ذکر کی ترتیب وار تلقین کرتا ہے مثلاً سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کہلواتا ہے، اور دوسرے لوگ اس کے کہنے کے مطابق یہ مخصوص ذکر کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس اطلاع دینے والے شخص سے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا واقعی وہ لوگ اس طرح کرتے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ جی ہاں واقعی وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ اب کی مرتبہ جب وہ ایسا کریں تو اس وقت تم مجھے آکر خبر کرنا۔

چنانچہ اس شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور جب ان کے اجتماعی ذکر کرنے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سُن لیا تو غصہ کی حالت میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی قسم یہ کام کر کے یا تو تم نے ایک سیاہ بدعت ایجاد کی ہے، یا پھر تم لوگ علم میں حضور ﷺ کے صحابہ سے بھی آگے بڑھ گئے ہو؟ اس پر ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں معذرت کی اور اپنے اس عمل سے فوراً توبہ کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس (اجتماعی ذکر) جیسے کام کئے تو تم (اصل اور صحیح دین سے) بہت پیچھے رہ جاؤ گے اور اگر تم نے (دین اور صحابۂ کرام سے) دائیں بائیں

طرف کا کوئی راستہ اختیار کیا تو تم بہت دُور دراز کی گمراہی میں جا پڑو گے (معجم، طبرانی کبیر. وحلیة الاولیاء جلددوم حصه چهارم صفحه ۲۵۲ .المدخل لابن الحاج ،الجزء الاول ص ۷۹، فصل فی العالِم وكيفية نيته وهديه وادبه ، كراهة رفع الصوت بالقرآن والتطريب فيه، بحواله صاحب الحلية)

حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

''یہ حدیث زائد اور جعفر بن سلیمان نے عطاء سے لی ہے اور قیس بن ابی حازم اور ابوزعراء نے حضرت ابنِ مسعود سے بیان کیا ہے، ابوزعراء کی حدیث میں بتانے والے کا نام مسیّب بن نجید لکھا ہے۔ یہی حدیث ہمیں سلیمان نے علی، ابونعیم، سفیان، سلمہ بن کہیل ابوزعراء کی سند سے بھی بیان کی ہے اور اس میں بتانے والے کا نام مسیّب بن نجیہ بھی ذکر ہے'' (حلية الاولياء جلددوم حصه چهارم صفحه ۲۵۲)

اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اس کے بعد حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان اجتماعی انداز میں ذکر کرنے والے لوگوں کو متفرق اور الگ الگ ہو جانے کا حکم دیا (طبرانی کبیر)

بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک واقعہ اس طرح آتا ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صبح فجر سے پہل گھر سے نکلتے وقت عرض کیا کہ میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جو میں نے بُری سمجھی اور الحمدللہ میری نیت خیر اور بھلائی یعنی اصلاح کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کیا بات ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی زندگی رہی تو آپ بھی جلد ہی دیکھ لیں گے، وہ یہ ہے کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز سے پہلے اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے کئی حلقے بنا رکھے ہیں اور ان لوگوں کے پاس کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو بار لاالٰہ الا اللہ کہو تو وہ سو بار لاالٰہ الا اللہ کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے

آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں کچھ نہیں کہا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ (موجودہ طرزِعمل کے بجائے) اپنے گناہ شمار کریں اور آپ نے ان کو یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ (اپنے گناہ شمار کرنے کی صورت میں) ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں ان لوگوں کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہوئے، پھر ان سے پوچھا یہ میں تمہیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں۔انہوں نے جواب دیا کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر، تہلیل اور تسبیح شمار کر کے پڑھ رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہوں کو شمار کرو، اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس صورت میں تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔اے امتِ محمد! تم پر افسوس ہے کہ کتنی جلدی تمہاری بربادی ہے۔تمہارے نبی ﷺ کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے طریقے پر ہو جس میں (خدانخواستہ) محمد ﷺ کے طریقے سے زیادہ ہدایت ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔انہوں نے کہا! ہم نے تو فقط خیر کا ارادہ کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جن کو (صحابہ کا طریقہ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے) ہرگز خیر حاصل نہیں ہوتی۔رسول اللہ نے ہم سے بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو، پھر آپ ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے۔حضرت عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگِ نہروان میں لڑ رہی تھی (مسند دارمی ج ۱ ص ۷۹ و ۸۰ باب فی کراھیة اخذ الرأی. ومعجم طبرانی کبیر جلد ۱ ص ۷۹، ۸۰)

ملاحظہ فرمائیے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر وغیرہ جیسے عظیم الشان اذکار جو کہ سنت ہیں اور ان کے عظیم فضائل احادیث و روایات سے ثابت ہیں، اگر اپنے اپنے طور پر گھر میں یا مسجد میں ان کا ذکر اور وِرد کیا جائے تو عظیم ثواب کا باعث ہیں، لیکن یہی مسنون اور عظیم الشان فضائل کے حامل اذکار اور کلمات جب اجتماعی شکل میں کئے گئے، کہ ایک شخص یہ کلمات مخصوص مقدار میں پڑھنے کی طرف متوجہ کرتا اور دوسرے

لوگ اس کی تعمیل میں اجتماعی انداز میں ذکر کرتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی اور تاریک وسیاہ بدعت کے ایجاد کرنے یا حضور ﷺ کے صحابہ پر علم میں آگے بڑھنے والا فرمایا۔

حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے، یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہ کے بھی ہاتھ نہ آئے تھی، خواہ بے خبری سے، خواہ سُستی سے۔ پس تم طریقِ عبادت کے علم میں صحابہ سے غالب ہو نکلے، دوسری صورت ناممکن ہے، پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعتِ سیئہ ہی ہونا متعین ہے، یہی بات ہر اس شخص کے بارے میں کہی جائے گی جو خالص عبادتِ بدنی کو اس طور سے ادا کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ تھا (مجالس الابرار، اُردو ص ۱۶۵، مجلس نمبر ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مذکورہ طریقے پر اجتماعی ذکر کرنے والوں کو یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے دین اور صحابۂ کرام سے دائیں بائیں راستہ اختیار کیا تو گمراہی میں بہت دُور جا پڑو گے، اور آپ نے اجتماعی ذکر کرنے والوں کو الگ الگ کر دیا تا کہ الگ الگ ہو کر اپنا اپنا ذکر کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح وتحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔ لہٰذا یہ بدعتِ ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی اور بقول امام ابنِ دقیق العید رحمہ اللہ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فضیلتِ ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا (راہ سنت ص ۱۲۴)

فھٰذا ابن مسعود انکر ھٰذاالفعل مع امکان ادراجہ تحت عموم فضیلۃ الذکر (احکام الاحکام، شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید جلد ۱ صفحہ ۵۲)

جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح اجتماعی ذکر کرنا صحابۂ کرام میں رائج نہ تھا اور یہ گمراہی و بدعت ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنا ذکر الگ الگ اور جدا جدا کرنا چاہیے۔

علامہ قاضی خان، امام بزازی، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمہم اللہ جیسے فقیہ حضرات حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں (فتاویٰ بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۵ علیٰ ھامش الفتاویٰ الھندیۃ،

ردالمحتار جلد ۶ فصل فی البیع ،غمز عیون البصائر جلد ۴ ،القول فی احکام المسجد)

لہٰذا بعض حضرات جو اس روایت کو غیر صحیح کہتے ہیں یہ درست نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، راہِ سنت ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحابۂ کرام میں جو علمی مقام ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو عبداللہ بن مسعود پسند نہ کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا (الاستیعاب ج ۱ ص ۳۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد شریعت کے مستحکم اُصولوں کے عین مطابق ہے اور بدعت کی ایک خاص قسم کی نشاندہی کرتا ہے، جس کی علمائے اہلِ سنت والجماعت نے مختلف موقعوں پر وضاحت فرمائی ہے۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وتعیین الکیفیات والتزام الھیئات المعینة اوالازمنة المعینة مع الدوام ونحو ذالک ،وھٰذاھوالابتداع والبدعة ویسمیٰ فاعلهٗ مبتدعاً (الاعتصام ،الجزء الاول ،الباب الاول فی تعریف البدع وبیان معناھا، صفحه ۲۵ ،مطبوعه بیروت لبنان)

ترجمہ: اور اپنی طرف سے دواماً کیفیات کو متعین کر لینا اور معیّن شکل وصورت اور طور طریق کا التزام کر لینا یا معین زمانوں کا التزام کر لینا وغیرہ وغیرہ ،یہی ابتداع اور بدعت ہے اور اس کے کرنے والے کو بدعتی قرار دیا جاتا ہے۔

اور مذکورہ عبارت کے کچھ بعد لکھتے ہیں:

ومنھاالتزام الکیفیات والھیئات المعینة کالذکر بھیئة الاجتماع علیٰ صوت واحد (الاعتصام ،الجزء الاول ،الباب الاول فی تعریف البدع وبیان معناھا، صفحه ۲۶ ،مطبوعه بیروت لبنان)

ترجمہ: اوران ہی بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ مخصوص کیفیات اور معین ھیئات کا التزام کر لینا جیسے کہ اجتماعی طریقے پر ایک ساتھ آواز ملا کر ذکر کرنا۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

فاذاندب الشرع مثلاً الیٰ ذکر اللہ فالتزم قوم الاجتماع علیٰ لسان واحد وبصوت اوفی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب

الشرع مایدل علیٰ هٰذاالتخصیص الملتزم بل فیه مایدل علیٰ خلافهٖ
(الاعتصام الجزء الاول ،الباب الرابع فی مأخذاهل البدع بالاستدلال ،فصل ومنهاتحریف الادلة فی مواضعها،صفحه ۱۶۹)

ترجمہ: جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہومثلاً اللہ کا ذکر،تو اگرکوئی قوم اس کا التزام کرلے کہ ایک زبان ہوکروہ اللہ کا ذکر کرے یا دوسرے اوقات کے علاوہ کسی مخصوص اور متعین وقت کے اندروہ ذکرکرے تو شریعت کی وہ ترغیب اس مخصوص التزام کی ہوئی چیز پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ اجتماعی انداز میں ایک خاص ذکر کے متعلق حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقعے پر کوئی طرزِ خاص قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے............ بہرحال ذکراس طرح کرنا بدعت ہے (تذکرۃ الرشید ج اص ۷۰ املخصاً، درذیل شبہاتِ فقہیہ ومسائلِ مختلف فیہا)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''ارشادِ قرآنی وَاذْكُرُوْهُ كَمَاهَدَاكُمْ سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا، کہ ذکراللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے،اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکراللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ،اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے،اس کے خلاف کرنا جائز نہیں،اوراس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہووہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں،نفلی عبادات اورصدقہ وخیرات وغیرہا میں جولوگ بلا دلیلِ شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اوراضافے کرلیتے ہیں،اوران کی پابندی کوضروری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے اس کوضروری قرارنہیں دیا اوران افعال کے نہ کرنے والوں کوخطاوار سمجھتے ہیں،اس آیت نے ان کی غلطی کوواضح کردیا کہ وہ اہلِ جاہلیت کی سی عبادت ہے کہ اپنی رائے وقیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا'' (معارف القرآن ج اص ۴۸۷)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

Idara Ghufran

''یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بُری ہوتو وہ بدعت ہوگی بلک وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے اُن میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا اُن کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی'' (راہِ سنت ص ۱۱۸، باب چہارم)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب (شریعت نے) ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا اور اس تعیین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے اور غیر مشروع بھی'' (راہِ سنت ص ۱۲۲، باب چہارم)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے بارے میں چند اکابرینِ اُمّت کی تصریحات

اب مروّجہ ذکر بالجہر اور اجتماعی مجالسِ ذکر و درود کے ناجائز اور بدعت ہونے پر چند اکابرین کی تصریحات پیشِ خدمت ہیں۔

(۱)...... حضرت مولانا سیّد مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مجلسِ ذکر اور مجلسِ درود شریف بھی اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ اگر ہوگی تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا (یعنی مکروہ ہوگی) اس لئے کہ یہ مجلس مستحب اور نفل عبادت میں داخل ہے اور نفل عبادات کے لئے تداعی اور اعلان کا مکروہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے'' (حیاتِ ترمذی ص ۴۷۴)

(۲)...... فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ''مجالسِ ذکر'' کے نام سے اپنے مفصل و مدلل رسالے میں مروجہ ذکر کی مجالس میں پائی جانے والی بدعات اور مفاسد و منکرات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

(۱) جہر کو مستحب لعینہٖ سمجھنا (۲) جہر کو بدون عوارض ذکرِ خفی سے افضل سمجھنا (۳) مجالسِ ذکر کو جائزۃ لعینہا سمجھنا (۴) فاعتقاد کونھا مستحبة بدعة بالاولیٰ (۵) باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا، یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کر ذکر کروائے دوسرے اس کی اقتداء کریں (۶) ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط (۷) بذریعۂ تداعی دو تین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا (نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلقِ

ذکر میں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں۔قولِ معاذ وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آ گے آ رہی ہے)(۸) فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریقِ افضل کا تارک سمجھنا(۹) دوسری تقییدات وتخصیصات (۱۰) یہ اعتقاد کہ مجلسِ ذکر بدون ترکِ معاصی اصلاحِ قلب ونجات کے لئے کافی ہے(۱۱) حاجاتِ دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالسِ ذکر منعقد کرنا کہ ارتکابِ کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا (رسائل الرشید ۲۵۶)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مروجہ ذکر کی مجالس میں بآوازِ بلند ذکر کرنے کو اپنی ذات میں مستحب سمجھا جاتا ہے، جبکہ بآوازِ بلند ذکر کرنا خاص عوارض کی وجہ سے جائز تھا مگر ان مجالس میں بغیر عوارض کے عام حالات میں بھی آہستہ ذکر کے مقابلے میں بلند آواز سے ذکر کرنا افضل سمجھا جاتا ہے اور مروّجہ مجالسِ ذکر کو اپنی ذات میں جائز سمجھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر ان مجالس کے مستحب ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، جس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں، اور مروجہ مجالسِ ذکر میں باہم امام اور مقتدیوں کی طرح کا تعلق رکھا جاتا ہے، ایک شخص امام کی طرح مقتدیٰ بن کر ذکر کراتا ہے اور دوسرے اس کی اتباع میں ذکر کرتے ہیں، اور ذاکرین کا آپس میں کسی نہ کسی طرح کا ربط وتعلق تو ہوتا ہی ہے، دو تین افراد سے زیادہ کو خاص مجلسِ ذکر کی دعوت دے کر جمع کیا جاتا ہے جو کہ فقہائے کرام کے نزدیک تداعی میں داخل اور ممنوع ومکروہ ہے، اور ان مجالس کا فرائض وواجبات کی طرح التزام کیا جاتا ہے یا اگر کوئی ان مجالس میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کی جاتی ہے، یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کی جاتی ہے یا پھر کم از کم اس کو ذکر کے افضل طریقہ کے ترک کرنے والا سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ مروجہ مجالسِ ذکر میں دوسری قیودات وتخصیصات بھی جمع ہوگئی ہیں اور ان مجالسِ ذکر کے متعلق عوام کا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ گناہوں کو چھوڑے بغیر ہی یہ مجالسِ ذکر اصلاحِ قلب، تزکیۂ نفس اور نجات کے لئے کافی ہیں، اسی طرح دنیوی حاجات ومقاصد کے لئے اس عقیدہ کے ساتھ یہ مجالسِ ذکر منعقد کی جاتی ہیں کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ان مجالسِ ذکر سے مقصد برآری ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

مروّجہ اجتماعی مجالسِ ذکر میں مذکورہ یہ سب یا ان میں سے کچھ خرابیاں پائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے مروَّجہ مجالسِ ذکر نا جائز اور ممنوع ہیں۔

(۳)......حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''درود وسلام کو کسی ہیئت کے ساتھ مخصوص کر دینا یا کسی ایسی ہیئت کو زیادہ ثواب کا موجب سمجھنا، جو صحابۂ کرام سے منقول نہیں اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے بُرا سمجھنا بدعت ہے، جس سے احتراز کرنا چاہئے، کبھی کبھی اجتماعی طور سے حلقہ بنا کر درود شریف پڑھنا اصلاً مباح ہے، لیکن چونکہ صحابۂ کرام سے یہ طریقہ منقول نہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور جو شخص اس طریقے سے درود شریف نہ پڑھے وہ قابلِ نکیر نہیں ہے، لہٰذا اگر اس اجتماعی صورت کو زیادہ ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے برا سمجھا جائے تو یہ بدعت ہوگا، اور چونکہ آج کل اس اجتماعی ہیئت کو اسی نیت سے اختیار کیا جاتا ہے اور سوال میں بھی اس کی تصریح ہے اس لیے اس طریقے کو ترک کرنا چاہئے'' (فتاویٰ عثمانی ج ا ص ۱۴۰،۱۴۱، کتاب السنۃ والبدعۃ)

یاد رہے کہ مذکورہ بالا فتوے پر حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تصدیق وتصحیح بھی درج ہے

(۴)......حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''سوال یہ ہے کہ کیا اجتماعی صورت میں، اور وہ بھی مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور اسی ہیئت کے ساتھ جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا وہ اس کو منع کرتے اور اس کو بدعت کہتے ہیں؟ آپ نے صحیح روایات سے یہ معلوم کرلیا کہ وہ ان دونوں کو بدعت اور ان پر عمل کرنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں'' (راہِ سنت ص ۱۲۹، باب چہارم)

حضراتِ صحابۂ کرام میں درجہ اوّل کے مفسّر (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلّی اعتماد حاصل ہے وہ اس اجتماعی صورت میں ذکر بالجہر کرنے اور مِل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں، اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت (جس کو تمہارے لیے عبداللہ بن مسعود پسند نہ کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا) کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں، اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا کسی

اور کی۔ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

بالکل تنہائی میں یا تعلیم کی خاطر ذکر بالجہر کا معاملہ الگ ہے (راہِ سنت ص ۱۳۰، باب چہارم)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے لاالٰــــہ الااللہ اور درود شریف پڑھتے ہیں، چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہم نے یہ کارروائی آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، بار بار یہ فرماتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفسیر، فقہ اور علومِ دینیہ میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشّمس ہے'' (حکم الذکر بالجہر ص ۱۴۲)

''حضرت ملاعلی القاری الحنفی رحمہ اللہ ''اقلھاتکلفا'' کے جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھروں میں حلقے بنا بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے'' (حکم الذکر بالجہر ص ۱۴۳) [۱]

(۵)...... حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی ﷺ پر درود مستحب ہے، لیکن غیر مشروع ہیئت میں اس کو کرنا بدعت ہے، ایک غیر مشروع ہیئت یہ ہے کہ اجتماعی صورت میں اس طریقے سے کیا جائے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے، خواہ کسی کو امیر بنا کر یا اس کے بغیر اور خواہ جہراً ہو یا سِرّاً ہو'' (فہمِ حدیث ج ۱ ص ۳۶۴)

ایک موقعہ پر لکھتے ہیں:

''بہرحال (صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت

---

[۱] ولایتحلقون للاذکار والصلوات برفع الصوت فی المساجد ولافی بیوتھم (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۰۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث)

میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے، اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں'' (مروّجہ مجالسِ ذکر و درود کی شرعی حیثیت ص۳ مطبوعہ ادارہ تعلیماتِ دینیہ، لاہور)

''حقیقت یہ ہے کہ خیر القرون میں تداعی کے ساتھ مجالسِ ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا''
(ایضاً ص ۶، ۷)

''مجلسِ ذکر کے لئے تداعی جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے، اجتماعی ذکر یعنی جب ذاکرین یہ التزام کریں کہ سب بیک وقت ایک ہی ذکر کریں پھر ذکر خواہ سرِّی ہو یا جہری بدعت و مکروہ ہے، چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور اگرچہ اجتماع بغیر تداعی کے ہوا ہو'' (ایضاً ص ۲۸ و ۲۹)

نفسِ ذکر بالجہر اور ذکر کے دوران وجد و ضرب لگانے کی شرعی حیثیت

گذشتہ تفصیل سے مروّجہ اجتماعی ذکر کا بدعت و مکروہ ہونا اچھی طرح واضح ہو چکا، اب سوال میں ذکر کردہ مزید چند باتوں کے بارے میں اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

باآوازِ بلند یعنی جہری ذکر کرنا اور ذکر کے دوران ضرب لگانا اور وجد میں آنا بذاتِ خود عبادت نہیں ہے، اور اگر کسی خاص ضرورت و مصلحت کی خاطر جس کا شریعت اعتبار کرتی ہو، بلند آواز یعنی جہر سے ذکر کیا جائے اور ذکر کے دوران ضرب لگائی جائے اور ان دونوں کو اعتدال پر رکھا جائے اور دوسری کوئی خرابی بھی شامل نہ ہو تو ان دونوں چیزوں کی اجازت ہے، لیکن اگر جہر و ضرب کو خود مقصود سمجھا جائے یا اعتدال و حدود سے تجاوز کیا جائے یا اور کوئی خرابی شامل ہو تو پھر جہری ذکر اور ضرب جائز نہیں، اور مروّجہ مجالسِ ذکر میں جہر و ضرب اعتدال پر نہیں ہوتا بلکہ اعتدال سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، جہر و ضربِ معتدل میں خفیف اور ہلکا سا جہر اور ضرب کافی ہے اور مروّجہ مجالسِ ذکر میں اتنی زور سے ذکر کیا جاتا ہے کہ قُرب و جوار والے علاقوں میں آواز پہنچتی ہے اور اگر مسجد ہو تو پوری مسجد میں اجتماعی ذکر کی آوازیں گونجتی ہیں اور مجلس کے شرکاء دائیں بائیں طرف زور زور سے جھومتے ہیں، نیز عوام الناس جہر اور ضرب کو اپنی ذات میں ثواب سمجھتے ہیں اُن کو جہر اور ضرب کی غرض اور حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی۔

اس لیے مروّجہ طریقہ پر مجالسِ ذکر میں عوامُ الناس کا ضرب اور جہر کے ساتھ ذکر کرنا، اور عوامُ الناس کا وجد میں آنا اور اُچھلنا کودنا جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے یہ بھی بدعت و ناجائز ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی جلد ۱ باب رفع الصوت فی الحرب، الفتاویٰ الهندیة ج۵، کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح

ورفع الصوت عند قراء ة القرآن،ردالمحتار ج ۱ ،كتاب الصلاة ،قبيل فصل القراء ة ،فروع قرء بالفارسية او التوراة اوالانجيل وجلد۵ ص ۲۲۲ و ۲۵۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ذکرِ جہر اور ضرب کے متعلق فرماتے ہیں:

’’جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے ،اور حدیث میں جو وارد ہے **انکم لاتدعون اصمّ ولاغائباً** (ترجمہ: بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے اور بعض نے جہرِ مفرط کو اس کا محمل بنایا ہے ، جس سے دوسرے لوگ متاذی ہوں مثلاً نائمین (سونے والوں) کو تشویش ہو اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں، ورنہ جہر فی نفسہٖ جائز ہے ....معلوم ہوا کہ جہر ’’**من حیث ھو جھر**‘‘ (اس حیثیت سے کہ وہ جہر ہے) عبادت نہیں اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفعِ خواطر و حصولِ جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں، بشرطیکہ کوئی اور عارض مانع نہ ہو (مثلاً تداعی کا ہونا، اجتماع کو مقصود سمجھنا، کسی کو تکلیف پہنچنا وغیرہ) بہر حال جہرِ مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو، اور جہرِ معتدل میں تفصیل ہے، اگر خود جہر کو بقصدِ ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے، .... جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس و خطرات کم آتے ہیں، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے، اسی طرح ضرب بھی قربت نہیں ہے ....ضرب ذریعۂ مقصود ہونے سے مقصود بالغیر بن جاتا ہے، لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان (دل کی تیز دھڑکن کا مرض) پیدا ہونے کا ڈر ہے، لہٰذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے‘‘

(شریعت وطریقت ص ۲۷۱،۲۷۲،۲۷۳، ملخصاً)

حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ ذکرِ الٰہی کے مخصوص طریقوں اور ترکیبوں اور ذکر میں ضربیں لگانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ سب اکثر طالبین کے حق میں بدعتِ حقیقی کی قسم میں داخل ہے کیونکہ وہ اس کو ہی اصل کمالِ شرعی سمجھتے ہیں، یا شریعت کا تکملہ گردانتے ہیں، البتہ خواص کے حق میں یہ بدعتِ حکمیہ شمار ہوں گی جو ان امور کو صرف وسیلہ سمجھ کر ان کی تعلیم و ترویج کی کوشش کرتے ہیں.......... صرف ان لوگوں کے ناقص استعدادوں کی اصلاح کے لئے بقدرِ ضرورت وسیلوں کے

طور پر اور بغیر کسی التزام کے اور بغیر کسی ترویجِ عام اور اہتمام کے ان امور کو کام میں لائیں اور مقصد حاصل ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیں تو بے شک اس صورت میں ان مذکورہ بالا اُمور کی تعلیم اگر چہ ان حضرات کی جانب سے بعض اوقات چند لوگوں کے ذہنوں (کی تربیت) کے لئے اتفاقیہ طور پر اور مصلحتِ وقت کی خاطر وجود میں آئے تو ان کے حق میں یہ اُمور بدعت شمار نہیں ہوں گے لیکن ہم یہاں جو کلام کر رہے ہیں وہ اہلِ زمانہ کی اکثریت کے بارے میں ہے جو ان امور کو شریعتِ مستمرّہ اور طریقۂ مسلوکہ (مستقل شریعت اور مستقل مسلک) کے مثل سمجھتے ہیں'' (بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام، ترجمہ ایضاح الحق الصریح ص ۷۹ و ۸۰ در ذیل تیسرا مسئلہ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی)

اور وجد و حال وغیرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''یہ سب بدعاتِ حقیقیہ میں داخل ہیں، اس لیے کہ جو شخص ان امور میں مشغول رہتا ہے وہ ان کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے بلکہ اکثر لوگ ان امور کو شریعت میں مطلوب احسان کی حقیقت شمار کرتے ہیں'' (ایضاً ص ۸۷ در ذیل دوسرا مسئلہ)

ملحوظ رہے کہ مذکورہ کتاب کی اہمیت کا ذکر ابوحنیفۂ وقت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سامنے فرمایا تھا (ملاحظہ ہو، تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۲۲، مراسلہ مابین حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی رحمہما اللہ)

اجتماعی ذکر بالجہر سے خاص کیفیت پیدا ہونے کے شبہ کا جواب

بعض حضرات جو کہتے ہیں کہ مروّجہ مجالسِ ذکر میں شریک ہونے سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، دل میں رِقّت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا جب یہ فائدہ کی چیز ہوئی تو ناجائز کیسے ہوسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ چیزیں مقصود و مطلوب نہیں دوسرے کسی مصلحت اور فائدہ حاصل کرنے کی خاطر کوئی بدعت و ناجائز چیز جائز نہیں ہوجایا کرتی، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فی الحقیقت جوامرِ خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے (مروجہ مجالسِ ذکر ص ۲۴)

صوفیائے کرام کے اجتماعی مجالسِ ذکر قائم کرنے کے شبہ کا جواب

جہاں تک سوال میں بعض لوگوں کا صوفیائے کرام کی طرف ذکر بالجہر اجتماعی انداز میں کرنے کی نسبت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں سمجھ لینا چاہیے کہ اوّلاً تو اہلِ حق محقق صوفیائے کرام سے مروّجہ مجالسِ

ذکر کا ثبوت نہیں ملتا اور اگر بالفرض صوفیائے کرام سے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت ہو بھی جائے جو فقہائے کرام اور محقق علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہو تب بھی فقہاء وعلماء کے مؤقف کو صوفیائے کرام کے مؤقف پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے چند ارشادات نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

حضرت موصوف رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں صوفیاء وعلماء کا باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق بجانبِ علماء معلوم ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے اور صوفیاء کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک ہی محدود ہے پس وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جاوے وہ بالضرور اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا جاوے کئی درجے بہتر اور حق ہوگا'' (مکتوباتِ امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶ دفترِ اول حصہ چہارم ص ۵۲۰،۵۲۱)

''اور صوفیاء کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کردیں اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ (جیسے فقہاء) کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ اور حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ (جیسے صوفیاء) کا عمل۔

اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص وسرور کو اپنا دین وملت بنالیا ہے اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے، **اولئک الذین اتخذوا دینھم لھواً ولعباً** (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنالیا ہے)'' (مکتوباتِ امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶ دفترِ اول حصہ چہارم ص ۵۳۷)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے، اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہیے، مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں۔ اور خطا کار

مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں۔لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے،کاش کہ مجتہدِ مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔قیاس واجتہاد اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے۔برخلاف (صوفیاء کے) کشف اور الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے۔لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے موافق ڈھونڈنا چاہیے۔اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے برخلاف کہیں یا کریں اس کی تقلید نہ کرنی چاہیے۔اور حسنِ ظن کے ساتھ ان کے طعن سے لب باندھنی چاہیے۔اور ان کی اس قسم کی باتوں کو شطحیات (یعنی صوفیاء کی ایسی باتیں جو کسی خاص حالت کے غلبہ کی وجہ سے اُن سے سرزد ہوتی ہیں) سے جاننا چاہیے اور ظاہر سے اس کو پھیرنا چاہیے'' (مکتوباتِ امام ربانی ،جلداول مکتوب نمبر۲۷ دفترِ اول حصہ پنجم ص۵۵۶)

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کو نقل فرما کر حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر خان صاحب دامت برکاتہم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو نقل کر کے ہم اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں:

''لہٰذا ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے اس بہترین اور سُنہری مشورے اور نصیحت پر عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں،اور حضراتِ صوفیاء کرام پر طعن سے بچتے ہوئے عدمِ ذکر بالجہر میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فتویٰ و(جماعتی انداز کے ذکر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے۔ناقل) ارشاد کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں، یار لوگ اپنے لئے جس رائے کو بہتر سمجھتے ہیں،اختیار کرلیں ۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب (حکم الذکر بالجہر ص۲۰۷)

(مضمون کی طوالت کی وجہ سے آخر میں درج شدہ تفصیلی عبارات کو یہاں پر نقل نہیں کیا گیا،تفصیلی عبارات دارالافتاء کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں، بوقتِ ضرورت دارالافتاء سے طلب کی جاسکتی ہیں)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔محمد رضوان

۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ، ۲۰/ جون ۲۰۰۶ء۔دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی

Idara Ghufran

کیا آپ جانتے ہیں؟ مولانا محمد امجد حسین

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

بیل گاڑی سے ریل گاڑی تک (چھٹی و آخری قسط)

خوجک (کھوجک) غار کی کھدائی

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ سبی سے کوئٹہ لائن بچھانے کے لئے دو راستے تھے، ایک درہ بولان کا راستہ جس میں چڑھائی بہت زیادہ تھی، اور دوسرا ہرنائی کا راستہ۔ دورہ بولان کی چڑھائی پر ریل چڑھانا کچھ آسان نہ تھا، ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات تھی، اس لئے ہرنائی کے راستے سے لائن ڈالی گئی اور راستے میں چھپر رفٹ کی پہاڑیاں کاٹی اور کھائیاں (بذریعہ پل) پاٹی گئیں لیکن انجینئروں کو اندازہ تھا کہ چھپر رفٹ والا راستہ زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوگا، آسمانی اور زمینی آفات کے دو چار تھپڑے ہی اس کا حلیہ بگاڑ دیں گے اور ریل منہ تکتی رہ جائے گی اور ریل کے سفر کے عادی ہو جانے والے مسافر؟ وہ تو سر پیٹتے رہ جائیں گے۔
اور آگے لائن نہ ہونے کی وجہ سے جب ریل کھڑی ہو جائے گی تو وہ پھر کھڑی کی کھڑی ہی رہے گی۔ ع

تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

بہرحال چھپڑ رفٹ والی لائن بوستان کے مقام تک ڈال کر دورہ بولان کے راستے دوسری لائن بھی ڈالنی شروع کی گئی، مارچ 1887ء میں بوستان [1] کے مقام پر دونوں لائنیں مل گئیں۔

درہ بولان سے لائن گذارنا کس قدر مشکل مرحلہ تھا اور یہ پہاڑی درہ کس قدر دشوار گذار اور پیچیدہ ہے اس کو سمجھنے کے لئے عابدی صاحب کے یہ دو اقتباسات جو کوئٹہ سے ان کی واپسی کے سفر کے موقعہ کے ہیں

---

[1] بوستان کوئٹہ کے شمال میں کوئٹہ سے چمن کے راستے پر واقع ہے، بوستان سے ژوب (انگریزی دور میں اور بعد تک بھی اس کا نام فورٹ سنڈیمن تھا) تک تقریباً 300 کلومیٹر طویل لائن تھی، عابدی صاحب کے بقول دنیا میں ڈھائی فٹ چوڑی یہ سب سے لمبی لائن تھی، اس راستے میں کبھی برفانی طوفان آتے تو گاڑی راستے میں پھنس جاتی اور ٹرین کا سارا پانی جم جاتا، 1970ء میں بہت زیادہ برف پڑی تو یہاں ٹرین پھنس گئی، کئی دن بعد یہ لائن کھلی، ملک کی تقسیم سے پہلے سہ پہر کو بوستان سے ریل چلتی تو اگلے دن دوپہر کو ژوب پہنچتی، مئی 1985ء سے وہ ہفتہ وار گاڑی جو اس لائن پر چلتی تھی بند ہوگئی، اور دنیا کے اس منفرد 300 کلومیٹر لائن کو خراب اور برباد ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا، ژوب کی حدود صوبہ سرحد میں وزیرستان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ساتھ ملتی ہیں۔

ملاحظہ ہوں:

''ٹرین دوہ بولان میں داخل ہوکر نیچے اترنے لگی دونوں جانب وہ چٹانیں آ گئیں جو ایک صدی پہلے محنت کشوں نے خون پسینہ ایک کرکے کاٹی ہونگی اوران کے درمیان ریل گاڑی کے لئے راستہ بنایا ہوگا، عجیب چٹانیں تھیں، یوں لگتا تھا کہ پتلے پتلے پتھر اوپر تلے مضبوطی سے جما دیئے گئے ہیں، نیچی چٹانیں ختم ہوئیں تو اونچے پہاڑ شروع ہوگئے، سارے کے سارے پتھریلے، سب کے سب بنجر، ٹرین ڈھلان پر اتر رہی تھی اور صاف لگتا تھا کہ اسے چلایا کم اور روکا زیادہ جارہا ہے، آخر وہ مچھ کے اسٹیشن پر پہنچ گئی'' (ریل کہانی ص ۱۹)

''ہاں تو اس علاقے میں کوئٹہ ایکسپریس نے جو راستہ طے کیا وہ میرے دل اور میرے دماغ پر نقش ہوکر رہ گیا، راہ میں سرنگیں آنی شروع ہوگئیں، ریل بار بار سرنگوں سے یوں گذر رہی تھے جیسے دھاگے والی سوئی بار بار کپڑے سے گذاری جارہی ہو، یہاں ریلوے لائن، دریائے بولان، اور بڑی سڑک پہلو بہ پہلو دوڑنے لگے، ریل گاڑی نے دریا کو نو مرتبہ پار کیا، اس طرح یہ پٹڑی، دریا اور سڑک کبھی ساتھ ساتھ چلتے، کبھی آپس میں گتھ جاتے، جیسے کسی لڑکی کے بالوں کی تین لٹیں بنا کر چوٹی گوندھی جارہی ہو، دونوں طرف درہ بولان کے اونچے پہاڑ تھے، گاڑی کا شور گونج رہا تھا، دریا کے دوسرے کنارے پر سڑک تھی اور مال سے لدے ہوئے ٹرک ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے'' (ریل کہانی ص ۲۵،۲۶)

اسپز ند سے زاہدان (ایران) لائن

سبی سے کوئٹہ درہ بولان کے راستے درہ بولان سے گذر کر اسپز ند جنکشن آتا ہے، اسپز ند سے زاہدان تک ساڑھے سات سو کلومیٹر لمبی لائن ہے، یہ اسپز ند سے نکل کر بلوچستان کے ویرانوں اور صحراؤں سے گذرتی ہوئی دنیا کی غالباً طویل ترین بین الاقوامی تنہا ریلوے لائن ہے، یعنی اس کے راستے میں ویرانے ہی ویرانے، تنہائی ہی تنہائی ہے۔ یہ لائن پہلی عالمی جنگ (1914ء تا 1918ء) کے دوران ڈالی گئی تھی، ایران تک اس کا سروے 1916ء میں ہوا اور اس پر بہت تیزی سے کام ہوا، چنانچہ دالبندین تک تقریباً دوسو کلومیٹر کی لائن پانچ ماہ میں پڑی، دالبندین سے آگے تو بہت ہی خوفناک صحراء ہے، آب ودانے کا کہیں نام ونشان نہیں، عابدی صاحب کے بقول ایسا بھیانک ریگستان کہ اس کے تصور سے لوگ

آج تک ڈرتے ہیں اور ریل گاڑیاں اپنے ساتھ اب بھی کھانے پینے کا بہت سامان لے جاتی ہیں کہ اگر ٹرین ریگستان میں کہیں بگڑ جائے تو مسافر بھوکے پیاسے نہ مرجائیں، اس بھیانک صحرا میں بھی چارسو کلومیٹر لمبی لائن ایک سال میں ڈالی گئی، دالبندین سے نوکنڈی کے درمیان تقریباً پونے دوسو کلومیٹر راستے میں ویرانے کی وجہ سے صرف ایک اسٹیشن ہے، کتابی روایت ہے کہ یہاں سال کے ایک سوبیس دن مسلسل ہوائیں چلتی ہیں، ہوائیں اپنے ساتھ ریت اڑاتی ہیں اور جگہ جگہ ریت کے ٹیلے بنادیتی ہیں بعض دفعہ یہ ٹیلے مین لائن کے اوپر بن جاتے ہیں، تب انجینئروں کو ان ٹیلوں کے پہلو میں نئی لائن ڈالنی پڑتی ہے، یہ لائن جنگ کے دوران صرف فوجی ضرورت کے لئے بنائی گئی تھی، اس لئے بعد میں اس کی فوجی ضرورت نہ رہی تو نوکنڈی اور زاہدان کے درمیان دوسو کلومیٹر لائن اکھاڑ دی گئی، 40ء کے عشرے میں جب دوسری جنگِ عظیم چھڑی تو 1942ء میں زاہدان تک اس کو دوبارہ تعمیر کرکے استعمال میں لایا گیا، اور اب تک یہ استعمال میں ہے۔

خوجک (کھوجک) سرنگ

کوئٹہ سے آگے بوستان ہے اس سے آگے یہ لائن چمن تک جاتی ہے، چمن کے راستے میں خوجک غار ہے، گویا یہ چمن کا داخلی دروازہ ہے، یہ سرنگ کیسے کھدی، کیسے تعمیر ہوئی؟ یعنی قطرے سے گہر ہونے تک کیا مرحلے طے ہوئے؟ بزبانِ عابدی یہ قصہ بھی سن لیں:

''اب مرحلہ تھا خوجک کی 12870 فٹ لمبی سرنگ کھودنے کا، کام بہت بڑا تھا، لہٰذا مزدوروں کی بہت بڑی فوج درکار تھی، وہ ریڈیو، اخبار کا زمانہ تو تھا نہیں، خدا جانے کیسے چاردانگ عالم میں خوجک کی سرنگ کے منصوبے کا اعلان ہوگیا، دیکھتے ہی دیکھتے مزدوروں کے غول کے غول وہاں پہنچنے لگے، بہت سے مزدور تو ہرات، سیستان، قندھار، غزنی، کابل اور جلال آباد سے آئے، بہت سے سوات، بنوں اور کافرستان سے آگئے، ان میں زیادہ تر افغان پٹھان تھے، لیکن ہزارہ بھی بہت تھے، ان کے علاوہ کشمیر، تبت، پنجاب، مکران اور خلیج کے باشندے بھی آن پہنچے، بڑھئی اور مستری کے کام کے لئے سکھ بلائے گئے، اینٹیں پکانے والے مزدور بنگال سے آئے، برطانیہ سے وہ کارکن بلائے گئے جنہوں نے انگلستان اور ویلز کے درمیان دریائے سیورن کے نیچے سرنگ کھودی تھی، 14/ اپریل 1888ء کو خوجک سرنگ کی کھدائی

شروع ہوئی،مزدور پہاڑ کے دونوں جانب پل پڑے اور پورے دو سال تین دن بعد دونوں طرف کی سرنگیں پہاڑ کے قلب (درمیان) میں جاملیں،اس کے بعد سرنگ کی تعمیر شروع ہوئی ،جس میں کہتے ہیں کہ ایک کروڑ ستانوے لاکھ چونسٹھ ہزار چار سو چھبیس اینٹیں لگیں۔

سرنگ کا کاٹنا آسان نہ تھا اس میں جو سب سے بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا اس کی انجینئروں کو پہلے خبر نہیں تھی،ہوایوں کہ پہاڑ کے اندر پانی کا بہت بڑا ذخیرہ چھپا ہوا تھا،مزدور سرنگ کاٹتے کاٹتے جونہی وہاں پہنچے،پانی کا ریلا بہہ نکلا،اتفاق سے کوئی ہلاک نہیں ہوا،اتنی لمبی سرنگ کے اندر روشنی کرنا ناممکن تھا،انجینئر وں نے اس کا بہت دلچسپ حل نکالا،اور سرنگ کے دہانے پر بہت بڑا آئینہ لگا دیا،اس آئینہ کو سورج کی طرف پھیر دیا جاتا تھا،اس سے ٹکرا کر دھوپ سیدھی کرن کی طرح سرنگ کے اندر دوڑ جاتی تھی،اور کہتے ہیں کہ ایک میل تک روشنی جاتی تھی،بعد میں سرنگ کا معائنہ بھی اسی طرح ہوا کرتا تھا،یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ یہ سرنگ لکیر کی طرح سیدھی ہے۔

30 ستمبر 1891ء کو خوجک کی سرنگ کا افتتاح ہوا،اور ریلوے لائن اس سے گذر کر قندھار کو چلی،البتہ قلعہ چمن سے تقریباً پانچ کلومیٹر آگے جا کر رک گئی،سر مارٹیمر ڈیورینڈ نے اس جگہ 1893ء میں وہ سرحد کھینچی تھی جو آج تک ڈیورینڈ لائن کہلاتی ہے'' (ریل کہانی ص۳۹)

قارئین! کلکتہ کے دریائے ہاوڑا کے کنارے سے پٹری پر چڑھ کر ہم چلے تھے،آج چمن پہنچ چکے ہیں،یہی دو مقام برصغیر ریلوے لائن کے مبدأ و منتہاء ہیں،اور یہ ابتداء و انتہاء دونوں انگریز دور کی یادگاریں ہیں،آزادی وطن کے بعد ایک پوری نسل اپنا عہد گذار چکی اور تہذیب کے پلوں کے نیچے سے بہت پانی بہہ چکا لیکن ابھی تاریخ اس خواب کی تعبیر نہیں پاسکی،کہ افغانوں کی وادیوں سے لائن گذر کر وسطی ایشیاء تک جائے استعماری مقاصد تو استعمار کے ساتھ اوجھل ہوگئے اور وسطی ایشیاء بھی روس کے چنگل سے جغرافیائی اعتبار سے آزاد ہو چکا ہے کیا وسطی ایشیاء اور پاکستان،افغانستان،ایران اور آگے ترکی تک اسلامی ممالک کی یہ پوری ایک مسلسل لڑی تجارتی،اقتصادی،دینی اور ثقافتی اعتبار سے یہ بات محسوس نہیں کر رہی کہ ریلوے لائن کی لڑی میں اسلامی ممالک کے یہ موتی پرونے سے کیسی حسین مالا وجود میں آئے گی؟ تاریخ اس خواب کی تعبیر پانے کے لئے محو انتظار ہے۔ (ختم شد)

عبرت کدہ مولانا محمد امجد حسین

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

ہندوستان کا اسلامی عہد (قسط۱۴)

ملتان پر چڑھائی اور فتح: سکّہ سے فارغ ہوکر ابنِ قاسم فوج لے کر ملتان کی طرف بڑھے، سکّہ اور ملتان کے درمیان دریائے چناب شمال کی طرف بہتا تھا، دریا پار اترے، دریا کے کنارے ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں سے ملتان سامنے تھا، چونکہ دشمن نے مہلت نہ دی، اسلامی لشکر کے پہنچتے ہی سکّہ کا بھگوڑا حاکم جو ملتان کے قلعہ میں آکر چھپ گیا تھا جوشِ انتقام میں ملتانی فوج کی کمان اور قیادت خود اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور اسلامی لشکر کے مقابلے میں آ پہنچا، ملتانی لشکر نے بڑا سخت حملہ کیا، اسلامی لشکر نے ایمانی جرأت وہمت اور اپنے وسیع تجربے کی بنیاد پر یہ حملہ ناکام بنادیا ورنہ حملہ اتنا سخت تھا کہ شکست کا کھلا اندیشہ تھا، سارا دن جنگ کے بعد دشمن فوج بھاگنے پر مجبور ہوئی اور قلعے میں جاکر پناہ لی، دوسرے دن بھی اسی طرح جنگ ہوئی اور پھر ان کو پسپا ہوکر قلعہ میں محصور ہونا پڑا، اس کے بعد قلعہ سے نکل کر مقابلہ کرنے کی دشمن میں ہمت نہ رہی، مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا، بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن دشمن پر کوئی اثر نہ ہوا، اور عربی فوج پریشان ہوگئی، وطن سے دور، اپنے فتح کردہ علاقوں، نیرونؔ، برہمن آبادؔ وغیرہ سے بھی دور، علاقہ ویران اور ریگستانی، دانہ پانی کا کوئی انتظام نہیں، رسد کا سامان بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا، اس لئے پریشانی فطری امر تھا، آخر ایک مقامی شخص ہاتھ لگا، اس سے اس چشمے اور جھیل کا پتہ لگا جس سے ملتان والوں کو پانی حاصل ہوتا تھا، مسلمانوں نے اس نالے کا رخ پھیر دیا، اب ملتانی پیاسے مرنے لگے تو مجبور ہوکر قلعہ سے نکل کر جنگ پر آمادہ ہوئے، ملتان کا حاکم اس وقت راجہ داہر کے خاندان کا آدمی گورسنگھ تھا، یہ حالات ناموافق ہوتے دیکھ کر امدادی فوج لانے کا خیال پکاتے ہوئے کشمیر کے راجہ کے پاس گیا، قصہ مختصر یہ کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور پر آخر ملتان فتح کرلیا، امن پسند شہریوں کو امان دیدی گئی، جنگ کرنے والی فوج کئی ہزار کی تعداد میں مقابلے میں ماری گئی، اور ان کے اہل وعیال گرفتار کرلئے گئے، سندھ کی اس مہم میں حجاج نے بہت خزانہ خرچ کیا تھا، جبکہ سندھ کی تمام فتوحات سے ابھی مالِ غنیمت بہت کم سرکاری خزانے کو وصول ہوا تھا، اور خلیفہ ولید نے حجاج کو سندھ کے معرکے کی اجازت بھی اس شرط

Idara Ghufran

پر دی تھی کہ خزانے پر بوجھ نہ پڑے، اس لئے حجاج کے لئے فکر مندی کی بات تھی، اور اس وجہ سے محمد بن قاسم پر بھی الزام آ سکتا تھا۔ یہاں اصل میں یہ ہوا کہ اسلام کے جنگی اصولوں کے مطابق ابنِ قاسم اور اس کی فوج نے رعایا کے مال سے تو کہیں کوئی واسطہ نہیں رکھا اور سرکاری خزانوں سے مالِ غنیمت کی صورت میں زیادہ کچھ ہاتھ اس لئے نہیں لگا کہ جتنے بھی مرکزی مقامات تھے جیسے الوٓر، برہمن آباد، ملتان یہاں کے حاکم شکست سے پہلے ہی تمام خزانے لے کر فرار ہوئے۔ ابنِ قاسم کی نیک نیتی، بے غرضی، انصاف پسندی اور شریعت کی پاسداری کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ ایک برہمن نے ابنِ قاسم کے پاس آ کر بہت زمانہ پہلے کے کسی راجہ کے ایک خفیہ خزانے کی خبر دی جو اس نے ملتان کے قریب کسی جگہ میں زیرِ زمین حوض بنا کر اس میں دیگوں میں رکھ کر دفن کیا تھا، اور پھر اوپر بت خانہ بنا دیا تھا، اور اس کے بیچوں بیچ عین اس جگہ جہاں نیچے خزانے کے بھرے ہوئے مٹکے اور دیگ دفن تھے وہاں خالص سونے کا بت بنا کر رکھا تا کہ بت کے تقدس کی وجہ سے نیچے بھی کوئی کھدائی کی جرأت نہ کر سکے، صاحبِ آئینہ حقیقت نامہ کی صراحت کے مطابق یہ سونے کا بت دوسوتیس من وزنی اور نیچے مدفون سونا تیرہ ہزار دوسو من نکلا (یہاں من غالباً ہمارے مروج پیمانے سے نہیں بلکہ پرانی اصطلاح کا من مراد ہے جو کلو یا آدھ کلو کے وزن کا ہوتا تھا) اس سے حکومتِ عراق کے اخراجات جو اس نے سندھ کی مہم پر کئے تھے اضافے کے ساتھ وصول ہو گئے، صاحبِ تاریخِ سندھ نے ''فتوح البلدان'' اور ''المسالک والممالک'' کے حوالے سے بیت المال کو مالِ غنیمت اور ملتان کے اس خزانے سے حاصل ہونے والی آمدنی کا تخمینہ بارہ کروڑ درہم لکھا ہے، اور حکومتِ عراق نے جو خرچ کیا تھا وہ چھ کروڑ تھا، گویا کہ دوگنا وصول ہوا، اور ملتان سے برآمد ہونے والے اس خزانے کی اس زمانے میں بڑی شہرت ہو گئی تھی اور عرب لوگ ملتان کو ''فرج بیت الذھب'' کہنے لگے، جس کے معنیٰ ہیں سونے کی سرحد (شائد ''سونے کی چڑیا'' کا لقب ہندستان کے لئے مشہور ہونے کی اصل بھی یہی واقعہ ہو، واللہ اعلم) برہمن آباد اور الوٓر وغیرہ کی طرح یہاں بھی بہت بڑی تعداد میں لوگ اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوتے گئے، ملتان میں ابنِ قاسم کی فوج کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچتی ہے، حالانکہ عراقی اور شامی فوج جو اس کے ساتھ آئی تھی وہ ۱۲ ہزار کے لگ بھگ تھی، اس طرح گویا یہاں جو لوگ مسلمان ہوتے گئے وہ اسلام میں ایسے پختہ اور راسخ ہو جاتے کہ بہت سے ان میں اسلام کے سپاہی بن کر انہی لوگوں کے مقابلے میں جہاد کے میدان میں اترتے، جو کل تک ان کے ہم مذہب تھے۔ ملتان کے آس پاس کچھ اور قلعے اور علاقے بھی تھے جو ملتان کا حال دیکھ کر خود بخود تابع

ہوتے گئے، ملتان کی حکومت ابنِ قاسم نے امیر داؤد نصر بن ولید عمانی اور عکرمہ بن ریحان شامی کے ہاتھ میں دی، اس طرح راجہ داہر کی ساری سلطنت شمال میں کشمیر کی سرحد تک ابنِ قاسم نے فتح کر کے اسلام کی جھولی میں ڈال دی، آگے ابھی اس کے عزائم بلند تھے، قنوّج جو اس زمانے میں ہندوؤں کی ایک بڑی سلطنت تھی، اور سندھ کے پڑوس میں تھی اس کی فتح کا بھی عزم تھا، اور کشمیر کی سرحد پر اس مقام تک جہاں راجہ چچ نے سرحد پر درخت لگا کر اپنی سلطنت کی اس طرف حد بندی کی تھی، ابنِ قاسم خود آیا اور ان درختوں کا معائنہ کیا۔ یہ کشمیر میں وہ جگہ ہے جہاں سے دریائے جہلم کے ابتدائی پانچ چشمے پھوٹتے ہیں۔ حالات ایسے پیش آئے کہ قنوّج کی طرف کوچ کرنے کی نوبت نہ آئی، اور اس دوران شوال ۹۵ھ میں حجاج بن یوسف کی وفات ہوگئی جو ابنِ قاسم کا سرپرست تھا، اس کے بعد ابنِ قاسم گجرات کاٹھیاواڑ کی سرحد پر واقع بھیلمان نامی علاقے پر فوج لے کر گئے، یہاں کے حاکم نے طاعت قبول کی، پھر آگے جے پور کی طرف بڑھا، جہاں کا راجہ دوہر بڑا مشہور راجہ تھا، اس نے بہادری سے جنگ کی اور میدان میں مارا گیا، ایک عرب شاعر نے فخریہ طور پر یہ رجزیہ شعر کہا ہے ۔

نَحنُ قتلنا داهرا ودوهرا والخيل تروی منسرا فمنسرا

(ہم نے داہر اور دوہر دونوں راجوں کو قتل کیا، اور گھوڑے گدھ کی طرح برابر اپنے ٹاپوں سے چونچ مار رہے تھے)

حجاج بن یوسف کی موت کے آٹھ ماہ بعد جمادی الثانیہ ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بھی فوت ہوا، اور اس کے بعد سلیمان خلیفہ ہوا، جس نے ولید اور حجاج کے سپہ سالاروں کو چن چن کر انتقام کا نشانہ بنایا، محمد بن قاسم بھی اس انتقام اور بغض کی نذر ہوئے اس طرح امت ایک صالح جوان اور اسلام کے محافظ عظیم جرنیل سے اور سندھی رعایا ایک عظیم حاکم اور بادشاہ سے محروم ہوگئی۔ رہے نام اللہ کا (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۲ ''تقلید کا ثبوت''﴾

اور تفسیرِ حقانی میں ہے کہ ''پس انسان کے فلاح کے دو ہی طریق ہیں اول اور آسان یہ ہے کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے یہ تقلید کا مرتبہ ہے اور قرآن مجید نے اس آیت میں اسی کو مقدم کیا، دوم یہ کہ خود عقلِ سلیم سے غور و تدبر کرے (جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اس کے حق میں) یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے؟ (تفسیرِ حقانی ج ۹ ص ۱۴۹)

تو اب جہنم سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں (۱) تقلید (۲) اجتہاد و تحقیق، تو ظاہر ہے کہ اس فقدانِ علم و تقویٰ کے دور میں تحقیق و اجتہاد کی تو صلاحیت ہے نہیں لہٰذا تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (جاری ہے............)

طب و صحت حکیم محمد فیضان

طبی معلومات و مشوروں کا مستقل سلسلہ

دہی (Curd)

عربی زبان میں دہی کو، لبن آلحامض، فارسی میں، جغرات، سندھی میں دھونرہ، بنگلہ میں دئی، انگریزی زبان میں yoghhurt یا Curd کہتے ہیں۔

دہی بہت مشہور چیز ہے ہمارے ہاں روزمرہ کی غذا میں اس کا استعمال ہوتی اور دسترخوانوں کی زینت بنتی ہے۔ پنجاب کے لوگ دہی کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ان کی صحت کا راز دہی کو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دہی کو انسان اسوقت سے استعمال کر رہا ہے کہ جب تحریر کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت کے مطابق دہی کا استعمال دس ہزار سال پہلے شروع ہوا تھا، جبکہ ایک اندازہ کے مطابق دودھ سے دہی بنانے کا رواج تین ہزار سال پہلے قدیم مصریوں سے شروع ہوا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم فراعنہ مصر کے دسترخوان پر دہی رکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایران، روس، عرب بلقان اور ہندوستان میں اس کا استعمال شروع ہوا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ ترکی میں سب سے پہلے دہی کا استعمال شروع ہوا ہے، جبکہ آج بھی ان کا پسندیدہ مشروب دہی سے تیار کردہ (Liquid origin) لسی ہی ہے۔

دہی کیسے بنی؟: یہ کہانی بہت مشہور ہے کہ ایک خانہ بدوش کھال سے بنے ہوئے مشکیزہ میں دودھ بھر کر ایک لمبے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ چلتے چلتے سفر میں جب اسے بھوک اور پیاس نے ستایا تو اس نے مشکیزہ کھولا وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ دھوپ کی گرمی سے وہ دودھ جم کر کھیر کی طرح گاڑھا ہو گیا اور اس میں ایک طرح کی خوشبو بھی پیدا ہو گئی تھی، اور اس طرح سے دہی خود بخود وجود میں آ گئی۔ امریکیوں کو کچھ عرصے پہلے تک دہی کا علم نہیں تھا، 1900ء کی دہائی کے شروع میں شمالی امریکہ میں ترکی اور آرمینی لوگوں کے ہاں دہی کا استعمال شروع ہوا، مگر تجارتی بنیادوں پر 1940ء میں اس کی تیاری شروع ہوئی۔ پہلے دہی سادہ تیار ہوتا اور ملتا تھا۔ مگر اس کی امریکہ میں مقبولیت کو دیکھتے ہوئے تجارتی ادارے اسے مختلف پھلوں اور غذائی اجزا ملا کر بنانے لگے، جس سے اس کی مقبولیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

دہی جمانے کا طریقہ: دودھ کو پہلے دس منٹ ابال کر رکھ دیں۔ جب معمولی گرم رہ جائے تو معمولی

Iqra Ghufran

گرم دودھ ایک کلوگرام میں دو چمچہ دہی کا جامن ڈالکر گرم جگہ رکھ چھوڑیں، چھ سے آٹھ گھنٹے میں دہی جم جائیگی۔ سردیوں کے موسم میں اس سے زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔

مزاج: دہی کا مزاج سرد و تر ہے، یعنی ٹھنڈی اور تر تاثیر رکھتا ہے۔

دہی کے چند فوائد و خواص: دہی گرمی میں تسکین دیتی ہے، رطوبتوں میں اضافہ کرتی ہے، بدن کو طاقت دیتی ہے۔ گرمی میں اس کی لسی بنا کر پینے سے پیاس کی شدت دور ہوتی ہے۔ دہی عام جسمانی کمزوری کو دور کرتی ہے۔ پیشاب کی جلن کو رفع کرتی ہے۔ پیچش اور دستوں کے مرض میں بھی مفید ہے۔

اس صحت بخش غذا کی خصوصیت وہ ننھے منے جراثیم یا بیکٹیریا ہیں جو اس کو گاڑھا پن اور ہلکی ترشی عطا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طبی اعتبار سے یہ بات طے ہوگئی ہے کہ دہی میں موجود زندہ جراثیم دودھ کو زود ہضم بنا دیتے ہیں، جس کے استعمال سے نظامِ ہضم کو بڑی مدد ملتی ہے۔ دہی میں، لیکٹوز (Lactose) اور لیکٹک ایسڈ (Lactic Acid) ہونے کی وجہ سے معدے کے کافی امراض میں دہی فائدہ دیتی ہے جیسا کہ دستوں کی شکایت، اور پیچش وغیرہ، کیونکہ وہ جراثیم جن کی وجہ سے انفیکشن اور سوزش پیدا ہوتی ہے جو کہ بعد میں ورم بھی ہوسکتا ہے۔ وہ جراثیم دہی میں بہنے والے کیمیکل (Lactid Acid) کی وجہ سے نہیں رہ سکتے۔ پیچش اور مروڑ کے مرض میں دہی میں اسبغول ملا کر کھانا بہترین علاج تسلیم کیا گیا ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ دہی اور خمیر شدہ (Fermented) مشروبات آنتوں کی خراش کے مرض میں استعمال کرنا چاہئیں، اس لئے دہی کا استعمال آنتوں کی خراش میں بہت مفید ہے۔ دہی آنتوں کی خشکی دور کرتا ہے، اور معدے میں گیس کو پیدا ہونے سے روکتا ہے۔ اینٹی بایوٹکس دواؤں کے کچھ عرصہ استعمال کرنے سے صحت بخش جراثیم مر جاتے ہیں یا کم ہو جاتے ہیں۔ امریکی معالجین ایسے مریضوں کو دہی کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں۔ گیس، قبض اور اپھارے میں دہی کا استعمال مفید ہے۔ دہی میں نمک، پودینہ، سفید زیرہ، شامل کر کے پینے سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے۔ تپ دق، پرانی کھانسی، بواسیر میں دہی کا استعمال فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ دہی معدہ کی گرمی دور کرتی ہے اس لئے منہ کے چھالوں کے لئے بے حد مفید ہے، ایسی صورت میں دن میں ہر کھانے کے بعد دہی حسب طبیعت یا کم از کم دو چمچے کھانا چاہئے۔ دہی رطوبتوں میں اضافہ کرتی ہے اس لئے جن لوگوں کو نیند نہ آنے کی شکایت ہو تو ان کو دہی زیادہ استعمال کرنے سے صحت مند نیند آنا شروع ہو جاتی ہے۔ دہی السر پیدا کرنے والے، بیکٹیریا، کو ختم کرتی

ہے۔اس لئے دہی کے استعمال سے السر کی بیماری سے بچاؤ ممکن ہے۔دہی انسانی جسم میں موجود قوت مدافعت کے نظام کو تقویت دیتا ہے،اور شوگر کے مریضوں کے لئے بہترین غذا ہے۔کیونکہ یہ شوگر کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔جاپان میں کی گئی تحقیق سے معلوم ہوا کہ بلڈ پریشر کے مریض کو 250 گرام دہی روزانہ صبح باقاعدگی سے استعمال کرائی جائے تو بلڈ پریشر میں نمایاں کمی واقع ہوتی ہے۔گرمیوں کے زکام کی صورت میں دہی میں شکر شامل کر کے پینا مفید ہے۔دہی کی بالوں میں مالش کرنے اور دہی سے بال دھونے سے بال گھنے اور لمبے ہوتے ہیں اور سر میں پیدا ہونے والی خشکی ختم ہوجاتی ہے۔بال نرم اور چمکدار ہوجاتے ہیں۔

100 گرام دہی میں پائے جانے والے نمکیات اور وٹامنز مندرجہ ذیل ہیں۔

کیلشیم	123mg	فاسفورس	95mg	میگنیشم	12mg
پوٹاشیم	141mg	سوڈیم	58mg	کلورین	119mg
سلفر	30mg	سٹرک ایسڈ	160mg	ایلومنیم	460micro/g
آرسینک	56micro/g	بوران	270micro/g	برومین	600micro/g
کیڈمیم	26micro/g	کرومیم	15micro/g	کوبالٹ	0.6micro/g
آئیوڈین	43micro/g	فولاد	450micro/g	سکہ	40micro/g
میگانیز	22micro/g	سلینیم	40micro/g	سلی کون	1430micro/g
چاندی	47micro/g	سٹروشیم	171micro/g	وی نے ڈیم	0.092micro/g
		جست	3900micro/g		

کیمیائی لحاظ سے 100 گرام دہی میں موجود تمام چیزوں کی مقدار مندرجہ ذیل ہے

نمی	89.1%	پروٹین	3.1%	چکنائی	4.0%
نمکیات	0.8%	نشاستہ	3.0%		

ترش دہی خون میں جوش پیدا کرتی ہے اور اس سے کھانسی زکام جیسے عوارض ہو سکتے ہیں۔لہٰذا ترش دہی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اخبار ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب و روز

□......جمعہ ۲۰/ ۲۷/ ربیع الثانی و ۵/ ۱۲/ ۱۹/ جمادی الاولیٰ کو تینوں مساجد (مسجد امیر معاویہ، مسجد بلال، مسجد نسیم) میں حسبِ معمول حضرت مدیر دامت برکاتہم اور مفتی محمد یونس صاحب و بندہ محمد امجد کی وعظ اور مسائل کی نشستیں ہوئیں، بندہ محمد امجد کے سفر پر ہونے کی وجہ سے مسجد نسیم میں ۲۰/ ۲۷/ ربیع الثانی اور ۵/ جمادی الاولیٰ کو مولانا سعید افضل صاحب اور مولوی ابرار حسین صاحب نے جمعہ کے فرائض سرانجام دیئے۔

□......جمعہ ۲۰/ ربیع الثانی و ۵/ ۱۹/ جمادی الاولیٰ کو بعد مغرب ادارہ میں حسبِ معمول پندرہ روزہ فقہی مذاکرہ کی نشستیں ہوئیں۔

□......جمعہ ۱۲/ جمادی الاولیٰ حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم ایک جگہ کے معائنے کے لئے مضافات میں ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔

□......ہفتہ ۲۱/ ربیع الثانی جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی کے ناظمِ اعلیٰ اور سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب معروف عالمِ دین مولانا عبدالرحمٰن راشد صاحب کی وفات حسرت آیات ہوئی، بعد ظہر جامعہ اسلامیہ میں آپ کا جنازہ ہوا، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم نے جنازہ میں شرکت فرمائی، اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آپ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائیں۔

□......ہفتہ ۲۸/ ربیع الثانی حضرت اقدس حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ ادارہ میں تشریف لائے، آپ کے ہمراہ قاری عتیق الرحمٰن صاحب (خطیب مسجد کوہسار اسلام آباد) تھے، حضرت نے مختصر وقت ادارہ میں قیام فرمایا، ادارہ کی نئی تعمیرات کا معائنہ فرمایا اور قیمتی نصائح سے مستفید فرمایا، اس موقعہ پر حضرت کے راولپنڈی کے متوسلین میں سے بعض احباب بھی جمع تھے۔

□......ہفتہ ۶/ جمادی الاولیٰ مولوی طارق محمود صاحب و بندہ محمد امجد کی کراچی کے سفر سے واپسی ہوئی۔ بحمد اللہ۔

□......اتوار ۲۹/ ربیع الثانی و ۷/ ۱۴/ ۲۱/ جمادی الاولیٰ بعد عصر حسبِ معمول ہفتہ وار اصلاحی مجالس ہوئیں، اتوار ۲۹/ ربیع الثانی مولانا عبدالرحمٰن بکھروی صاحب ادارہ میں تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب سے ملاقات فرمائی

□......اتوار ۷/ ربیع الثانی ادارہ کے قرآنی تعلیمی شعبہ جات، حفظ و ناظرہ، بنین و بنات کی تمام جماعتوں کے امتحانات منعقد ہوئے، امتحانات صبح و شام دونوں وقت ہوئے۔

Idara Ghufran

□......سوموار۲۲/ ربیع الثانی ادارہ کے مطبخ کے لئے نئے باورچی جناب عثمان صاحب کی عارضی تقرری ہوئی۔

□......سوموار یکم/ جمادی الاولیٰ حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم چکلالہ سکیم تھری اپنے ایک عزیز جناب ندیم صاحب کے ہاں بمع اہلِ خانہ شام کے کھانے پر مدعو تھے۔

□......سوموار۸/ جمادی الاولیٰ شعبہ کتب کے ششماہی امتحانات شرع ہوئے، صبح وشام دونوں وقت تحریری امتحانات جاری رہ کر جمعرات کو مکمل ہوئے۔

□......سوموار۱۵/ جمادی الاولیٰ ششماہی امتحانات پچھلے سوموار سے شروع ہوکر کل اتوار کو قرآنی شعبوں کے امتحان ہونے پر ایک ہفتہ کے اندر مکمل ہوئے، آج تعلیمی شعبہ میں چھٹی دی گئی اور تمام طلباء کو تفریحی ومطالعاتی دورہ پر ٹیکسلا اور اس کے مضافات میں لے جایا گیا، شام کو واپسی ہوئی، آنا جانا بذریعہ ریل ہوا، اس دن شام کو حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کا اسلام آباد جناب کھوکھر صاحب ٹرسٹی مبین ٹرسٹ کے ہاں بھی جانا ہوا، آپ کے ہمراہ کھوکھر صاحب کے صاحبزادے اور آپ کے برادرِ نسبتی جناب قاری فضل الحکیم صاحب (مدرس شعبہ حفظ ادارہ ھٰذا) بھی تھے۔

□......منگل۲/ جمادی الاولیٰ حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم بمع اہلِ خانہ جناب سرور صاحب کے ہاں مدعو تھے

□...... بدھ۲۵/ ربیع الثانی و۳/ ۱۰/ ۱۷/ ۲۴/ جمادی الاولیٰ بعد ظہر طلبہ کرام کے لئے حسبِ معمول اصلاحی بیان ہوا

□...... بدھ۱۷/ جمادی الاولیٰ حضرت مفتی عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم (نائب مفتی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی) بوقتِ عصر ادارہ میں تشریف لائے، بعد عصر مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار تشریف لے گئے اور حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ نشست ہوئی، مختلف علمی مسائل پر بھی بات چیت ہوئی، آپ راولپنڈی اسلام آباد کے دورے پر تشریف لائے ہیں۔

□......جمعرات ۱۸/ جمادی الاولیٰ بعد عصر مفتی منظور احمد صاحب (جامعہ امدادیہ فیصل آباد) ادارہ میں تشریف لائے، اور حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات فرمائی۔

□......جمعرات ۲۶/ ربیع الثانی ادارہ کے کنویں کی صفائی کرائی گئی۔

□......جمعرات۱۱/ ۱۸/ جمادی الاولیٰ بعد ظہر بزمِ ادب کی ہفتہ وار نشست ہوئی، جمعرات ۱۸/ جمادی الاولیٰ کی نشست میں ششماہی امتحان کے نتائج کا اعلان بھی کیا گیا۔

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

✍ **23 مئی 2006ء 24 ربیع الثانی 1427ھ**: افغانستان: امریکی طیاروں کی گاؤں پر بمباری 123 شہید، 100 سے زائد زخمی ★ پاکستان: وزیرِاعظم حملہ کیس کا فیصلہ 4 کوسزائے موت 3 کو عمر قید 1 بری ★ پاکستان: آندھی طوفان بارش گوجرانوالہ میں 4 منزلہ عمارت زمین بوس ہونے اور دیگر واقعات میں 10 افراد جاں بحق 30 زخمی ✍ **24 مئی**: پاکستان: لیفٹیننٹ جنرل علی جان اورکزئی گورنر سرحد مقرر، کمانڈر خلیل وزیرِاعظم کے مشیر تعینات ✍ **25 مئی**: پاکستان: کابینہ اجلاس، پاک فضائیہ کے لئے اواکس طیارے خریدنے کی منظوری ✍ **26 مئی**: سرکریک کے مسئلہ پر پاک بھارت مذاکرات نئی دہلی میں شروع ✍ **27 مئی**: پاکستان: مدارس میں عصری علوم لازمی ہونے کی صورت میں ڈگریاں تسلیم کی جائیں گی، وفاقی حکومت کا اعلان ✍ **28 مئی**: انڈونیشیا، قیامت خیز زلزلہ 3500 جاں بحق ہزاروں زخمی، سینکڑوں لاپتہ ✍ **29 مئی**: انڈونیشیا زلزلے سے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد 4600 ہوگئی امدادی سرگرمیاں تیز، لوگوں میں بدستور خوف ہراس، 20 ہزار سے زائد زخمیوں میں سے سینکڑوں کی حالت تشویشناک، انڈونیشین حکومت کی عالمی برادری سے فوری امداد کی اپیل ★ پاکستان ریلوے کے اکانومی کلاس کرائے میں 50 روپے کمی کا اعلان، اطلاق 11 جون سے ہوگا ✍ **30 مئی**: افغانستان: کابل، امریکیوں کے خلاف خونی مظاہرے، فائرنگ سے 50 شہید پولیس اسٹیشن، گاڑیاں کئی عمارتیں نذرِ آتش، کرفیو نافذ، دارالحکومت کابل میدانِ کارزار بن گیا، نشے میں دھت امریکی فوجیوں کے ہاتھوں 7 شہریوں کی شہادت کے خلاف مظاہرین نے گاڑیوں پر پتھراؤ شروع کر دیا، جن پر امریکی فوج نے سیدھی گولیاں چلادیں ✍ **31 مئی**: شیخ راشد مکتوم کی صدر، وزیرِاعظم سے ملاقاتیں پاکستان اور عرب امارات دفاعی وتجارتی تعلقات بڑھانے پر متفق ✍ **یکم جون**: سرکاری ٹیکسٹ بک بورڈ کی اجارہ داری ختم، پرائیویٹ بورڈز کو نصابی کتب تیار کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ✍ **2 جون**: پاکستان: سٹیل ملز کیس میں تخمینہ رپورٹ بنانیوالی فرموں کی طلبی، حکومت بتائے منافع بخش اداروں کی فروخت کیوں ضروری ہے؟ سپریم کورٹ ✍ **3 جون**: پاکستان: سینٹ اجلاس ڈاکٹر قدیر اور نیوکلیئر پروگرام پر امریکی بیان کے خلاف متفقہ مذمتی قرارداد منظور، امریکی کانگرس کے متعدد اراکین نے گزشتہ دنوں ایوان نمائندگان میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقدیر

خان سے مزید تحقیقات اور انہیں امریکہ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا، پروفیسر خورشید کی پیش کردہ قرارداد کی حکومت نے بھی حمایت کی امریکی بیان قومی خودمختاری اور سلامتی پر حملہ ہے، اندرونی معاملات میں مداخلت برداشت نہیں کریں گے، نیوکلیئر پروگرام اور ایٹمی سائنسدانوں کے معاملہ پر پوری قوم کا موقف ایک ہے، مذمتی قرارداد پر حکومت اپوزیشن کا اتفاق رائے ☜ **4 جون:** پاکستان: غلط انتخابی گوشوارے جمع کرانے کا الزام ،عدالت نے بے نظیر اور زرداری کے وارنٹ جاری کر دیئے 3 جولائی کو عدالت میں پیش کرنے کا حکم ☜ **5 جون:** پاکستان: سرمایہ کاری اور قرضوں میں اضافہ ،غربت میں کمی ،تجارتی خسارہ 10 ارب ڈالر، رواں مالی سال کا اقتصادی سروے جاری ☜ **6 جون:** پاکستان: مالی سال 07-2006 کے لئے 13 ارب 14 کھرب 77 کروڑ 80 لاکھ روپے کا بجٹ، تنخواہوں پنشن میں اضافہ دالیں ٹریکٹر کھاد ادویات سستی، دفاعی بجٹ بڑھا دیا گیا، صنعتی مشینری آلات اور پرزوں کی درآمد پر سیل ٹیکس ختم سرکاری ملازمین کو 15 فیصد مہنگائی الاؤنس دینے کا اعلان گریڈ 1 سے 16 تک ملازمین کے کنونس چارجز میں 50 فیصد اضافہ، کمپیوٹر ہاڈ ویئر پر کسٹم ڈیوٹی ختم ،ڈیری کی پیداوار کو سیلز ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا، تین بڑے ڈیموں کے لئے 10 ارب روپے رکھ دیئے گئے، سستی بجلی فراہمی کے لئے 55 ارب روپے کی سَبسڈی دی جائے گی، ریفریجریٹر اور ماہی پروری سے متعلق مشینری پر ڈیوٹی میں کمی ☜ **7 جون:** پاکستان: امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیئے ایرانی ایٹمی پروگرام کی مشروط حمایت کا وعدہ یورپی یونین نے ایران کو مراعاتی پیکج پیش کر دیا ☜ **8 جون:** پاکستان کی فلسطین کے لئے 30 لاکھ ڈالر امداد جدو جہد آزادی کی حمایت جاری رکھنے کا اعلان ☜ **9 جون:** عراق: امریکی بمباری سے زرقاوی 10 ساتھیوں سمیت شہید عزائم بلند ہیں جہاد مزید تیز ہوگا، مجاہدین ☜ **10 جون:** پاکستان: وزارت ریلوے نے ملک بھر میں ریلوے کی کالونیوں میں ملازمین کو سستی اشیاء فراہم کرنے کے لئے یوٹیلٹی سٹور قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے ☜ **11 جون:** پاکستان: کراچی میں انسداد دہشتگردی کی عدالت نے بلوچستان کے سابق وزیراعلیٰ سردار اختر مینگل کو اشتہاری قرار دے کر ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا ہے ☜ **12 جون:** بھارت کا ایٹمی میزائل پرتھوی ون کا تجربہ، روایتی اور ایٹمی وار ہیڈ لے جانے کی صلاحیت حاصل ہے میزائل اڑیسہ چاندی پور کے ساحل پر واقع تجربہ گاہ سے داغا گیا 250 کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت حاصل ہے ☜ **13 جون:** پاکستان کوئٹہ میں بم دھماکہ 5 جاں بحق 17 زخمی بیرونی ہاتھ ملوث ہوسکتا ہے، گورنر بلوچستان ☜ **14 جون:** بھارت: باراتیوں سے بھرا ٹرک کھائی میں گرنے سے 48 باراتی ہلاک، 12 زخمی **(بقیہ صفحہ ۱۰۷ پر ملاحظہ فرمائیں)**

(بقیہ متعلقہ صفحہ ۱۰۶ ''اخبارِ عالم'') ✍ **15 جون:** پاکستان: پنجاب کا 275 ارب روپے کا ٹیکس فری بجٹ پیش ٹیکسوں کی سابقہ شرح برقرار ✍ **16 جون:** پاکستان: سندھ کا 1 کھرب 93 ارب روپے کا ٹیکس فری بجٹ پیش، صوبائی کابینہ نے خصوصی اجلاس میں منظوری دے دی ✍ **17 جون:** پاکستان: میڈیا پر حدود آرڈیننس کے خلاف پراپیگنڈہ شرمناک کوشش ہے متحدہ مجلسِ عمل ✍ **18 جون:** پاکستان: تنخواہوں میں اضافہ اساتذہ کے لئے خصوصی مراعات، ملازمین کے لئے بلا سود قرضے، سرحد حکومت نے 96 ارب روپے کا ٹیکس فری بجٹ پیش کر دیا ✍ **19 جون:** پاکستان: مسجدِ نبوی کی توسیع، خادم الحرمین الشریفین نے منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا ،منصوبہ میں مسجد کے 35 ہزار مربع میٹر مشرقی احاطہ کی تعمیر شامل ہے 70 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہوگی ✍ **20 جون:** پاکستان: کویتی امیر کو گوادر کے ترقیاتی منصوبے میں شرکت کی دعوت ✍ **21 جون:** پاکستان: کویت اور پاکستان کے درمیان باہمی تعاون کے پانچ معاہدوں پر دستخط، تجارتی تعلقات مزید مستحکم ہونگے، شوکت عزیز

By Mufti Muhammad Rizwan Translated by Abrar Hussain Satti

Exchanging of Gold and Silver With Currency

Question: Is it lawful in Sharia to sell or buy gold or silver with currency on credit or cash?

Ans: It is lawful in Sharia to sell or buy gold or silver with currency in cash and credit at any price on which both the parties have agreed without any cheating in that deal, although that rate may not match with the market rate.

But they should regard two terms in case of credit deal. 1. The price of the gold or silver must specify on the spot without any flexibility or ambiguity. 2. One party must receive payment or commodity in his possession (i.e. the customer take the gold or silver in his possession and payment remain credit or the vendor take the payment in his possession and the gold or silver remain on credit)

Some people do such deal of gold and silver on credit that the customer has to pay according to the rate of payment day (although the rate of that day is more than the day of deal or less). But it is not lawful in Sharia because here the value is not described definitely and there is ambiguity in it.

Some people buy or sell gold or silver with this condition that if the market rate is increased then the customer has to pay according to that rate, otherwise as per their deal. Similarly, some people do a deal if the customer pays within one moth then the amount is less but if he pays in two months than the payment is more then original amount. (But they do not fix the amount) In the mentioned situations the deal is not lawful in Sharia, because in all the given aspects there is ambiguity in the value.

Some people deal in gold or silver in such a way that they do not pay any thing from both sides (i.e. both gold or silver and payment are on credit) it is not a lawful deal in Sharia because it is not a deal but merely a promise of deal. However it is lawful for them that they deal according to a promise in future.